حصہ دوم

اسلام کا تصور جہاد

باب-۱

تصوّرِ جہاد

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ (الحج، ۲۲: ۷۸) اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔

مطلب یہ ہے کہ راہِ حق میں مومن اپنی تمام تر تخلیقی، جسمانی اور مالی صلاحیتیں بروئے کار لائے، ایثار و قربانی کو بابِ بندگی کا عنوان بنائے حتیٰ کہ اپنی جان بھی جان آفریں کے سپرد کر دے۔ گویا جہاد اپنی تمام خواہشات کو خدا کی رضا کی دہلیز پر قربان کر دینے کا نام ہے، کفر و باطل سے ٹکرا جانے کا نام ہی ایمان ہے، جہاد کے بغیر کوئی مسلمان مومن ہو ہی نہیں سکتا، فقط شہادت مومن کا مقصود و مطلوب ہے، جہاد کا مقصد نہ تو مال غنیمت سمیٹنا ہے اور نہ اس کا مقصد کشور کشائی ہی ہے، توسیع پسندانہ عزائم اور ہوس ملک گیری کا کوئی تعلق اسلام کے فلسفۂ جہاد سے نہیں اور نہ دہشت گردی کا ہی جہاد سے کوئی دور کا واسطہ ہے۔ اسلامی ریاست پرامن شہریوں کے جان، مال اور عزت کی محافظ ہے حتیٰ کہ ابو سفیان کے گھر میں پناہ لینے والے کو بھی امان دی جاتی ہے، فتنہ و فساد کے خاتمے، سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی گوشمالی، سرکشی اور بغاوت کی سرکوبی اور ظلم و بربریت، درندگی و ناانصافی اور ناحق خونریزی کے خلاف تلوار اٹھانا انسانی حقوق کے ہر چارٹر کے مطابق نہ صرف جائز ہے بلکہ فرض ہے تاکہ اللہ کی زمین فتنہ و فساد سے پاک ہو، امن بحال ہو اور اللہ کی زمین پر قیام عدل کے لئے راہ ہموار ہو جائے، جب کوئی فرد، جماعت یا قوم اپنی حدود سے تجاوز کر کے کسی فرد، جماعت یا قوم کا جینا محال کر دے، امن و امان کو تہ و بالا کر دے، کسی کی جان، مال اور عزت محفوظ نہ رہے، چھوٹی اور غریب اقوام کے اقتدار اعلیٰ کو اپنی انا پر قربان کر دیا جائے اور اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے بھی ذلت اور رسوائی کو ان کا مقدر بنا دیا جائے تو قرآن ان حالات میں استحصالی قوتوں کے خلاف جنگ کی ناگزیریت پر نہ صرف مہر تصدیق ثبت کرتا ہے بلکہ بین الاقوامی سامراجی غنڈوں، دہشت گردوں، فتنہ پردازوں، فسادیوں، جنگجوؤں اور

امن دشمنوں کے خلاف انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر اعلان جہاد کا حکم دیتا ہے یہ حکم صرف اعلان تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ آگے بڑھ کر فتنہ و فساد کے ان مراکز کو بند کرنے کی ہدایت بھی دیتا ہے اور یوں ابن آدم کو دائمی امن کی راہ سجھاتا ہے' محض اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اپنے لہو میں ڈوب کر جہاد بالسیف کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ گھوڑا اگر جہاد کی نیت سے پالا جائے تو اس کی لید کو اکٹھا کرنے کے لئے پھاوڑا چلانے کو بھی عبادت کے زمرے میں شامل کیا گیا ہے۔ جہاد ہر مومن پر فرض ہے' جہاد محض جنگ یا دشمن کے ساتھ محاذ آرائی کا نام نہیں بلکہ اسلام نے تصورِ جہاد کو بڑی وسعت اور جامعیت عطا کی ہے' قرآن حکیم میں جہاد کو ایمان کا لازمی جزو قرار دیا گیا ہے' جہاد کی چار قسمیں ہیں جہاد بالمال' جہاد بالنفس' جہاد بالعلم اور جہاد بالسیف۔

جہاد کا لغوی مفہوم

جہاد کا لفظ **جہد** سے مشتق ہے' **جَہد** فتح کے ساتھ معنی وسعت اور **جُہد** رفع کے ساتھ معنی مشقت میں مستعمل ہے' ان دونوں مادہ ہائے اشتقاق کی روشنی میں لفظ جہاد کا معنی و مفہوم یہ ہو گا کہ وہ امر خیر جس میں انتہائی طاقت اور وسعت صرف کی جائے اور ہر قسم کی تکلیف اور مشقت برداشت کی جائے۔ علاوہ ازیں لفظ جہاد کسی کام میں مبالغہ کرنے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں۔

الجہادِ والمجاہدۃ استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدوِّ

دشمن کے مقابلہ و مدافعت میں فوراً اپنی پوری قوت و طاقت صرف کرنا جہاد کہلاتا ہے۔

(المفردات:۱۰۱)

جہاد کا شرعی مفہوم

اجتہادی اور ارتقائی نقطہ نظر کے مطابق جہاد اپنے اندر ایک بڑا وسیع اور جامع مفہوم رکھتا ہے اور متعدد و متنوع جہات پر محیط ہے' مفکرین و ائمہ نے مختلف اوقات میں اپنے اپنے انداز' فکر اور سوچ کے مطابق جہاد کے شرعی مفہوم کو کچھ یوں

متعین کرنے کی سعی کی ہے۔

(۱) علامہ بدر الدین عینیؒ جہاد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

الجهاد فی الشرع بذل الجهد فی قتال الكفار لاعلاء كلمة الله
(عمدۃ القاری، ۱۴:۴۹)

عرف شرعی میں جہاد اعلائے کلمۃ اللہ (دین حق کی سربلندی) کے لئے (منافقانہ مشرکانہ اور) کافرانہ طاقتوں کی پوری طاقت وقوت سے سرکوبی کرنے سے عبارت ہے۔

(۲) علامہ علی بن خلف المالکی لفظ جہاد کا مفہوم کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

قتال مسلم كافرا غير ذی عهد لاعلاء كلمة الله او حضوره له، او دخوله ارضه له
(کفایہ الطالب الربانی، ۳:۵)

مسلمان کا غیر معاہد (کافرانہ قوتوں) سے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرنا، ان پر غلبہ پانا یا ان کی زمین پر (امن و آشتی کے قیام کے لئے) داخل ہونا جہاد کہلاتا ہے۔

(۳) امام کاسانی حنفیؒ یوں رقمطراز ہیں۔

اما الجهاد فی عرف الشرع بذل الوسع و الطاقة بالقتال فی سبيل الله عزو جل بالنفس و المال و اللسان
(بدائع الصنائع، ۷:۹۷)

عرف شرعی میں جہاد اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کے لئے جانی، مالی اور لسانی (تشہیری و اطلاعاتی) قوتوں کو پوری طاقت سے صرف کرنے سے عبارت ہے۔

(۴) الدکتور وہبۃ الزحیلی یوں مفہوم جہاد بیان کرتے ہیں۔

بذل الوسع و الطاقة فی قتال الكفار و مدافعتهم بالنفس و المال و اللسان
(الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۴:۴۱۴)

کفار (کے فاسقانہ و ظالمانہ نظام) کی دشمنی و عداوت (حتیٰ کہ ان کے) قتال میں قوت و طاقت صرف کرنا اور جانی، مالی اور لسانی (تشہیری) قوتوں کے ذریعہ

کافرانہ طاقتوں سے مدافعت اور مزاحمت کرنا جہاد کہلاتا ہے۔

الجهاد فی الاسلام هو قتال من یسعون فی الارض فسادا لتقویض دعائم الامن واقلاق راحة الناس وهم امنون فی دیارهم او الذین یثیرون الفتن من مکامنها اما بالحاد فی الدین و خروج عن الجماعة و شق عصا الطاعة او الذین یریدون اطفاء نور الله و یناؤون المسلمین العداء و یخرجونهم من دیارهم و ینقضون العهود و یخفرون بالذمم فالجهاد اذن هو لدفع الاذی والمکروه و رفع المظالم و الذود عن المحارم۔

(حکمۃ التشریع وفلسفتہ ۲:۳۳۰)

اسلام میں جہاد کا مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں کی سرکوبی کرنا جو اللہ کی زمین میں فساد انگیزی کے لئے کاوشیں کرتے ہیں تاکہ بنائے امن کو تباہ و برباد کر دیا جائے اور لوگوں کے راحت و سکون کو ختم کر دیا جائے بایں صورت کہ جب وہ انتہائی پرسکون زندگی بسر کر رہے ہوں یا وہ لوگ جو فتنوں کو پوشیدہ و مخفی جگہوں سے (امن عالم کو تباہ کرنے کے لئے) بھڑکاتے ہیں خواہ (یہ کاوش) دین سے منحرف کرنے کی صورت میں ہو یا جماعت (جمیع اہل اسلام) سے باغی کرنے اور اطاعت کی زندگی سے روگردانی کرنے کے لئے ہو یا وہ لوگ جو اللہ کے نور (دین اسلام) کو بجھانے کا ارادہ کریں یا مسلمانوں سے عداوت و دشمنی کریں اور انہیں گھروں سے بے گھر کریں عہد شکنی کریں اور باہمی معاہدات کی پاسداری نہ کریں غرضیکہ جہاد اذیت و تکلیف دہ ماحول اور ناپسندیدہ (نظام حیات) کو بدلنے اور ظلم و ستم کی (سیاہ

رات کو) ختم کرنے اور محارم کی حفاظت
کرنے کا نام ہے۔

جہاد کی مذکورہ بالا تمام تعریفات اگرچہ درست ہیں اور بڑی حد تک قرآن کے فلسفۂ جہاد کی روح کو قرطاس و قلم کے سپرد کرتی دکھائی دیتی ہیں لیکن جدید عصری تقاضوں کے پیش نظر اور جہاد کی مختلف جہات' اقسام اور ضروریات اور عہد جدید کے معروضی حالات کو سامنے رکھ کر ایک جامع مگر مختصر تعریف کی ضرورت ہے' ہمارے خیال میں یہ تعریف کچھ یوں ہو سکتی ہے۔

"دین اسلام کی اشاعت و ترویج' سربلندی و اعلاء اور حصول رضائے الٰہی کے لئے اپنی تمام تر' جانی' مالی' جسمانی' لسانی اور ذہنی صلاحیتوں اور استعدادوں کو وقف کر دینا جہاد کہلاتا ہے۔"

جہاد کے مقاصد جلیلہ

اسلام فرد کی اکائی کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی نجی زندگی کی بقاء و سلامتی کی ضمانت دیتا ہے اور معاشرے کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے بھی اس کے حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے۔ اسلام کہیں بھی افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوتا بلکہ توازن اور اعتدال کے فطری تقاضوں کو زندگی کے ہر شعبہ میں عملی طور پر نافذ کر کے انتہا پسندی کے دروازوں کو مقفل کرنے کا آرزو مند ہے' اسلام کا تصور ریاست بھی منفرد اور مثالی ہے' اسلام اپنے پیروکاروں کو قومیت کی محدود چار دیواری میں مقید نہیں کرتا' حکیمانِ یونان کے کسی فلسفے کا اطلاق اسلام کے تصور قومیت پر نہیں ہوتا' قوم رسول ہاشمی اپنی ہیئت ترکیبی میں اقوام مغرب کے ہر نظریئے اور ضابطے کی نفی کرتی ہے' ملت اسلامیہ ملت واحدہ ہے' دنیا کے ہر خطے کا مسلمان اپنی ثقافتی شناخت' تمدنی پہچان یا لسانی امتیاز کے باوجود اس ملت واحدہ کا ایک حصہ ہے' اسلام وطنیت کے مغربی تصور کی بھی نفی کرتا ہے' اسلام اس کرہ ارض پر پر امن معاشروں کے قیام کا داعی ہے' اسلامی ریاست ایک

فلاحی ریاست ہے جس میں استحصال کی کسی شکل کی بھی گنجائش نہیں' اسلام قانون کی حکمرانی چاہتا ہے اور عدل پر زور دیتا ہے تاکہ شہریوں (کسی مذہبی تفریق کے بغیر) کے جان مال اور عزت کی حفاظت ہو سکے' شہریوں کا اطمینان اور اعتماد ہی حقیقی امن کو جنم دیتا ہے' قیام امن اسلامی ریاست کی ترجیحات میں سرفہرست ہے' جہاد بالسیف کا مقصد بھی فتنہ و شر کو بزور بازو ختم کر کے عالمی سطح پر دائمی امن قائم کرنا ہے۔

جہاد اپنے مقاصد کی روشنی میں معاشرے سے ظلم و ستم' استحصال' ناانصافیوں اور فتنہ و شر کو ختم کر کے قیام امن عالم' عدل و مساوات' حریت فکر و عمل اعلائے کلمۃ اللہ اور ستم رسیدہ انسانیت کو مژدہ امن سنانے والی سعی مشکور کا نام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ مَالَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ (النساء' ۴:۷۵)

اور (مسلمانو!) تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے جبکہ بے بس مرد' عورتیں اور بچے جو چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں' اے ہمارے رب' ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے رہنے والے (وڈیرے) ظالم ہیں۔

اس آیہ مبارکہ میں مسلمانوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہا جا رہا ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ کمزوروں' بے بسوں' لاچاروں اور معاشرے کے مجبور و مقہور انسانوں کی حمایت میں (جن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا ہے) ظالموں کے خلاف اعلان جہاد نہیں کرتے؟ سربکف ہو کر میدان کارزار میں کیوں نہیں اترتے' ظلم کے خلاف' فتنہ و شر کے خلاف' سماج کی استحصالی قوتوں کے خلاف تم اپنی تلواریں بے نیام کیوں نہیں کرتے۔ تمہارے یہ بھائی ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں' رہ رہ کر ان کی نظریں آسمان کی طرف اٹھ رہی ہیں وہ اپنے مالک حقیقی کو پکار پکار کر مدد کے خواستگار ہو رہے ہیں' وہ اس قریہ جبر سے نکلنے کے لئے خدا کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے ہیں حرف دعا

ان کے ہونٹوں پر سسک رہا ہے' اٹھو! ظلم اور استحصال کے خلاف تلوار اٹھاؤ اور ان مظلوم عورتوں' مردوں اور بچوں کو ان کے پنجۂ استبداد سے نجات دلاؤ۔ مذکورہ صورت میں اسلام کے پیروکاروں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے' مسلمانو! اس وقت تک اپنے اوپر آرام و سکون حرام کر لو جب تک فتنہ پردازوں اور فسادیوں کی بھڑکائی ہوئی آگ ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہو جاتی اور یہ زمین امن و امان کا گہوارہ بن کر اولاد آدم کی بقاء و سلامتی کی ضامن نہیں بن جاتی۔

۱۔ جہاد فی سبیل اللہ کا پہلا مقصد یہ ہے کہ مخلوق خدا کو استعماری قوتوں اور استحصالی غاصبوں کے چنگل سے رہائی دلا کر انہیں آزادی کی نعمت سے سرفراز کیا جائے' یہ آزادی صرف سیاسی یا جغرافیائی آزادی نہ ہو بلکہ یہ آزادی اقتصادی اور ثقافتی آزادی پر بھی محیط ہو تاکہ محکوم اور مفلوک الحال افراد اور قومیں صحیح معنوں میں آزادی کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو سکیں اور اپنے افکار و نظریات کی روشنی میں زندگی بسر کر سکیں۔

۲۔ جہاد فی سبیل اللہ کا دوسرا مقصد ——— اعلائے کلمۃ الحق ہے ——— یعنی اللہ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کرنے کے لئے فتنہ انگیزی کا قلع قمع کیا جائے' عالمگیر سطح پر اقامت دین کے لئے انقلابی جدوجہد کی جائے اور باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے للکارا جائے۔

۳۔ جہاد فی سبیل اللہ کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ استحصال کی ہر شکل کو مٹا دیا جائے تاکہ اس کرہ ارض پر عدل قائم ہو اور اولاد آدم کے جمہوری حقوق کی پاسداری کی ضمانت دی جا سکے' جبر مسلسل کا ہدف مسلمان بنے یا غیر مسلم ہر دو صورتوں میں شمشیر اسلام نیام سے باہر نکل آئے اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچائے اور مسلمانوں کی تیغ برہنہ بلا تفریق رنگ و مذہب تمام انسانوں کے لئے فیض رسانی کا موجب بنے۔

فرضیت جہاد اور اس کے تدریجی مراحل

حضور نبی اکرم ﷺ نے جب اللہ تعالیٰ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانا شروع

کیا تو آہستہ آہستہ شمع اسلام کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیلتی چلی گئی اور تاریکیاں اجالوں میں بدلتی چلی گئیں لیکن یہ چیز کفار و مشرکین کو گوارا نہیں تھی انہوں نے بھی مخالفتوں اور مزاحمتوں کے جال بننا شروع کر دیئے اور اس چراغ کو گل کرنے کی حتی المقدور کوششوں کا آغاز کر دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ○

(التوبہ ۹: ۳۲)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ (یہ بات) قبول نہیں فرماتا مگر یہ (چاہتا ہے) کہ وہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا دے اگرچہ کفار (اسے) ناپسند ہی کریں۔

چونکہ یہ وعدہ الٰہی ہے کہ یہ چراغ کبھی گل نہیں ہو سکتا بلکہ اس کی روشنی پھیلے گی اور یہ دین تمام ادیان پر غالب آئے گا۔ اس لئے کفار و مشرکین کی کوششیں نقش بر آب ثابت ہوئیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ○

(التوبہ ۹: ۳۳)

وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (رسول) کو ہر دین (والے) پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا لگے۔

یہی کفار و مشرکین تھے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف مصائب و آلام کے پہاڑ کھڑے کر دیئے تھے۔ اصحابِ رسول کو ہاتھ اور زبان سے شدید اذیتیں پہنچاتے۔ صحابہ کرامؓ اسی حال میں پہنچتے تھے کہ کسی کا سر پھٹا ہوا ہے، کسی کا ہاتھ ٹوٹا ہوا ہے اور کسی کا پاؤں بندھا ہوا ہے۔ روزانہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اس قسم کی شکایات پہنچتی تھیں لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کو تو اللہ کی طرف سے صبر و استقامت کا درس

دیا گیا تھا کہ

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (الطور، ۵۲:۴۸)

اور آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار فرمایئے بہر حال آپ تو ہماری نظروں میں ہیں۔

اسلئے جب آپ ﷺ کی بارگاہ میں ایذا رسانی کی شکایات پہنچتیں تو آپ ﷺ اپنے غلاموں کو صبر کی تلقین فرماتے کہ صبر و استقامت سے ان مصائب و آلام کا سامنا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے تنگی کے بعد آسانی آتی ہے، پس ایک وقت آئے گا کہ تم خوش و خرم زندگی گزارو گے۔ ابھی حکم جہاد مجھے نہیں ہوا۔ جب حکم ہو گا تو علم جہاد بلند کرنے کے لئے میدان عمل میں اتر آئیں گے بالآخر جب انہی حالات میں آقائے نامدار ﷺ مکہ کی وادی کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرما گئے تو اس وقت آپ کو جہاد کا حکم دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ (الحج، ۲۲:۳۹)

(ان (مسلمانوں) کو جن سے کافر (خواہ مخواہ) جنگ کرتے ہیں (لڑائی کی) اجازت دی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر (بہت) ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔

حکم جہاد سے قبل حضور نبی اکرم ﷺ کو مشرکین سے اعراض کرنے اور ان سے درگزر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ۝ (الحجر، ۱۵:۸۵)

(اے اخلاق مجسم) آپ بڑے حسن و خوبی کے ساتھ درگزر کرتے رہیے۔

ایک اور مقام پر مشرکین سے منہ پھیر لینے کا حکم دیا گیا ہے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ

پس آپ وہ (باتیں) اعلانیہ کہہ ڈالیں

الْمُشْرِكِيْنَ ○ (الحجر، ۱۵:۹۴) جن کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور آپ مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ حکم ارشاد فرمایا کہ آپ حکمت کے ساتھ نصیحت کر کے لوگوں کو دین کی طرف بلائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط (النحل، ۱۶:۱۲۵) (اے رسول معظم) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اگر مشرکین جنگ کی ابتدا کریں تو ان سے مدافعانہ جنگ کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ط كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○ (البقرہ، ۲:۱۹۱) پھر اگر وہ قتال کریں تو انہیں قتل کر ڈالو، (ایسے) کافروں کی یہی سزا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال، ۸:۶۱) اور اگر وہ (کفار) صلح کے لئے جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا اور ارشاد ہوا۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ط (البقرہ، ۲:۱۹۳) اور ان سے جنگ کرتے رہو حتی کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی زندگی اور بندگی کا نظام عملاً) اللہ ہی کے تابع ہو جائے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ ۹:۵)

تو تم (حسب اعلان) مشرکوں کو قتل کر دو جہاں کہیں بھی تم ان کو پاؤ۔

اس کے بعد مشرکین سے جہاد کی فرضیت برقرار رہی اور قیامت تک کے لئے جہاد فرض ہو گیا۔ نبی اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ اس امر پر شاہد وعادل ہیں۔

قال رسول اللہ ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قالھا فقدعصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ (صحیح بخاری ۱:۱۸۸)

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا کہ جب تک لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں میں ان سے جنگ کرتا رہوں اور جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا اس نے اپنی جان اور اپنا مال مجھ سے محفوظ کر لیا البتہ جو ان پر حق ہو گا وہ وصول کیا جائے گا اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں جہاد جاری رکھنے کا ذکر یوں آیا ہے۔

قال النبی ﷺ الجھاد ماض منذ بعثنی اللہ تعالی الی ان یقاتل اخر امتی الدجال (ابوداؤد ۱:۳۵۰)

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے اس وقت سے جہاد جاری ہے یہاں تک کہ میری امت کے آخری لوگ دجال سے لڑیں گے۔

اور حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ "مجھے قیامت تک کے لئے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے" جہاد جاری رہنے پر واضح دلالت کرتا ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ بعثت بین یدی الساعۃ بالسیف حتی یعبداللہ

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قیامت تک کے لئے تلوار کے

وحدہ لا شریک لہ و جعل رزقی تحت ظل رمحی و جعل الذلۃ والصغار علی من خالف امری و من تشبہ بقوم فھو منھم

(مسند امام احمد بن حنبل، ۲:۵۰)

ساتھ مبعوث کیا گیا ہے یہاں تک کہ لوگ اللہ کی عبادت کریں جو یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میرا رزق نیزوں کے سائے میں ہے اور جو شخص میرے حکم کی مخالفت کرے گا اس کے لئے ذلت اور محکومی ہے اور جو شخص جس قوم سے مشابہت کرے گا اس کا شمار اسی قوم میں ہو گا۔

حضرت سفیان بن عیینہ نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو چار تلواروں کے ساتھ مبعوث کیا ہے، ایک وہ تلوار جس کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود بت پرستوں کے ساتھ جہاد کیا۔ ایک وہ تلوار جس کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ نے مرتدین کے ساتھ جہاد کیا۔ جس قوم سے جہاد کیا وہ نبی خلیفہ ہے اور یہ قوم یمامہ میں رہتی تھی اور دراصل یہ مسیلمہ کذاب کی قوم کے لوگ تھے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہے۔

تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ

(الفتح، ۴۸:۱۶)

تم ان سے (یا تو) جنگ کرتے رہو گے یا وہ اطاعت قبول کریں گے۔

تیسری وہ تلوار جس کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ نے مجوس اور اہل کتاب کے ساتھ جنگ کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

(التوبہ، ۹:۲۹)

(اے مسلمانو!) اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے ساتھ (بھی) جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ یوم آخرت

پڑ۔

چوتھی وہ تلوار جس کے ساتھ حضرت علیؓ نے خارجیوں' معاہدہ توڑنے والوں اور بغاوت کرنے والوں سے جہاد کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ ج (الحجرات' ۴۹:۹)

تو تم سب (مل کر) اس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

جہاد فرض ہے اگرچہ گراں ہی کیوں نہ محسوس ہو

ارشاد خداوندی ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ' ۲:۲۱۶)

(اللہ کی راہ میں) قتال تم پر فرض کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ طبعاً تمہیں ناگوار ہے' اور ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ (حقیقتاً) تمہارے لئے بہتر ہو اور (یہ بھی) ممکن ہے تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ (حقیقتاً) تمہارے لئے بری ہو اور اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

جہاد کی فرضیت کے اعلان کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ حکم جہاد تمہاری طبیعتوں پر گراں گزرتا ہے۔ نعروں کی حد تک تو تم اسے گوارا کر لیتے ہو لیکن جب میدان کارزار میں اتر کر اللہ کی راہ میں تلوار بے نیام کرنے کا وقت آتا ہے تو ہزاروں بہانے تلاش کرنے لگتے ہو' گھریلو مجبوریوں کی آڑ لیتے ہو لیکن یہ سوچ سب کی سوچ نہیں' ایسے بھی ہیں جو زندگی سے زیادہ موت سے پیار کرتے ہیں اور اللہ کی راہ

میں سربکف نکلتے ہیں' جب کسی شہید کی روح قفس عنصری سے پرواز کرتی ہے تو جلوۂ یار آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے وہ کہتا ہے کہ ہم تو جیتے ہی اس امید پر تھے کہ تیری طرف سے پیغام اجل آئے اور ہم تیرے جلوؤں سے شاد کام ہو سکیں' اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے نفع و نقصان سے پوری طرح باخبر نہیں' اس لئے اسے اپنی ذاتی پسند یا ناپسند کو اللہ کی رضا پر قربان کر دینا چاہئے اس لئے کہ اللہ نے ایمان والوں کے لئے جہاد کے راستے کو پسند کیا ہے۔

قابل توجہ نکتہ

فرمان خداوندی ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۣ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ (البقرہ' ۲:۲۱۷)

لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کا حکم دریافت کرتے ہیں فرما دیں اس میں جنگ بڑا گناہ ہے' اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے روکنا' اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک (اس سے بھی) بڑا گناہ ہے اور یہ فتنہ انگیزی قتل و خون سے بھی بڑھ کر ہے۔

یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ حرمت والے مہینوں رجب' ذیقعد' ذی الحج اور محرم کے علاوہ باقی آٹھ مہینوں میں جنگ کی اجازت ہے گویا مومن ان چار مہینوں میں جنگ کی تیاری میں مصروف رہے اس طرح اپنی پوری زندگی کو سراپا جہاد بنا دے' یہی مجاہدانہ زندگی اللہ کو محبوب ہے۔ اگرچہ مذکورہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا ایک جرم ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امر کی وضاحت بھی کر دی کہ اللہ کے دین پر عمل'

نفاذ دین مصطفےٰ ﷺ اور مصطفوی انقلاب کے لئے جدوجہد کرنے والوں یا مسجد حرام کا طواف کرنے سے روکنا اور مکہ کے مکینوں کو جلاوطنی کی زندگی پر مجبور کر دینا اس سے بھی بڑا جرم ہے۔ اللہ نے فتنہ پروری کے عمل کو قتل سے بھی بڑا جرم قرار دیا ہے' فرمایا کہ راہ جہاد میں نکلنے سے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اس کے بغیر جنت میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی جہاد ایک آزمائش ہے جس سے گزرنا ہر مسلمان پر فرض ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا (البقرہ' ۲: ۲۱۴)

کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم (یونہی بلا آزمائش) جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر تو ابھی ان لوگوں جیسی حالت (ہی نہیں بیتی) جو تم سے پہلے گزر چکے' انہیں تو طرح طرح کی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور انہیں ہلا ڈالا گیا۔

جنت تلواروں کے سائے تلے ہے اس کا حصول اتنا آسان نہیں' مسلمان کو ابتلا و آزمائش کے مراحل سے گذرنے کے بعد ہی جنت کی نوید سنائی جاتی ہے' حدیث شریف میں مذکور ہے۔

ان ابواب الجنة تحت ظلال السيوف (صحیح مسلم' ۲: ۱۳۹)

جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں۔

دشمنان اسلام کے مذموم عزائم

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان دشمنان دین کے مذموم عزائم کی نشاندہی بھی کی ہے اور مسلمانوں کو ان گھناؤنے عزائم سے خبردار رہنے کی تلقین بھی کی ہے وہ مذموم عزائم جن کو کچل کو امن قائم کرنے کے لئے جہاد مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے۔ ان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ط (البقرہ ۲:۲۱۷)

اور (یہ کافر) تم سے ہمیشہ جنگ جاری رکھیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں (اگر اتنی طاقت) پا سکیں۔

معلوم ہوا کہ دین دشمن قوتیں اسلام کے خلاف ہمیشہ سرد جنگ میں مصروف رہی ہیں انہیں جب بھی موقع ملا انہوں نے اسی سرد جنگ کو گرم جنگ میں تبدیل کرنے میں کسی تامل کا مظاہرہ نہیں کیا یہ ہمیشہ راہ حق کے مسافروں کے لئے مصائب کے پہاڑ کھڑے کرتے رہے ہیں، کبھی اقتصادی ناکہ بندی سے سفر انقلاب کو روکنے کی کوششیں کی گئیں اور کبھی ہتھیاروں پر پابندی لگا کر مسلمانوں کے مورال (Morale) کو ڈاؤن کرنے کی سازش کی گئی جب یہ تمام حربے ناکام ہو گئے تو مسلمانوں پر براہ راست جنگ مسلط کر دی گئی۔

کلمہ طیبہ کی روشنی میں تصور جہاد

تصور جہاد کی صحیح تفسیر تلواروں، تیروں اور بھالوں کی چھاؤں میں ہوتی ہے۔ عہد وفا اہل حق اپنے خون سے لکھتے ہیں اور سر نیزے پہ چڑھ کر اللہ کی توحید کی گواہی دیتے ہیں۔ کلمہ طیبہ کی روشنی میں تصور جہاد کیا ہے؟ کلمہ طیبہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ **لا الہ الا اللہ** سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود تسلیم نہ کیا جائے وہی بندگی کے لائق ہے اور ساری عبادتیں اسی کے لئے ہیں، اول و آخر ایک ہی ذات ہے اور وہ اس کائنات رنگ و بو کے خالق کی ذات ہے، گویا یہ اعلان کائنات کی تمام باطل اور طاغوتی قوتوں کا انکار ہے اور خود ساختہ خداؤں کی مکمل نفی ہے کلمہ طیبہ کے دوسرے حصہ میں **محمد رسول اللہ** کا اقرار حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا ہے گویا بندگی صرف اللہ کی اور پٹکا گلے میں غلامی رسول کا، ہم ہزارہا بار کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہیں، ہم اس کے مفہوم کو بھی سمجھتے ہیں لیکن اس کے باوجود قلب و باطن ہزاروں بتوں کی آماجگاہ

بنے ہوئے ہیں ہم نے نفسانی خواہشات کے ان گنت بت تراش رکھے ہیں' حکیم الامت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ توحید کا دعویدار ہونے کے باوجود مسلمان اپنی آستین کے اندر نجانے کتنے بت سجائے پھرتا ہے۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

جہاد کے مراحل ثلاثہ

جہاد کے تین مراحل ہیں۔

i۔ مرحلہ اولیٰ
ii۔ مرحلہ ثانیہ
iii۔ مرحلہ ثالثہ

مرحلہ اولیٰ

جہاد کی ایک قسم جہاد بالنفس ہے' اپنی نفسانی خواہشات سے جہاد' باطل آرزوؤں سے جہاد' من کے اندھیروں سے جہاد' قلب و نظر میں آباد بت خانوں کے خلاف جہاد' مفادات جن کی پرستش کی جاتی ہے ان کے خلاف جہاد۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝

(الفرقان' ۲۵: ۴۳)

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا تو کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔

ظاہرا ہم اپنے خالق حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہیں لیکن باطن میں اپنی

خواہشِ نفس کے پجاری ہوتے ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں ایک سجدہ ہزار سجدوں سے بے نیاز کر دیتا ہے لیکن ہماری جبینیں تو ہر دہلیز پر جھکنے کی عادی ہیں۔ خوف خدا کی جگہ خوف حاکم ہمارے دلوں میں جاگزیں ہے' مفادات کے صنم کدے میں صدائے لا الہ آئے تو کہاں سے آئے۔ پہلا مرحلہ اپنی انا کے بت کو توڑنا ہے' اگر دل لذات نفسانی کا صنم کدہ بن چکا ہے تو کروڑوں سجدے بھی اسے استحصالی اور طاغوتی نظام کے آہنی پنجے سے نہیں چھڑا سکتے' کبر و نخوت اور شہرت و ناموری کے بت توڑے بغیر مالک حقیقی سے رشتۂ بندگی استوار نہیں ہو سکتا' اگر یہ سارے بت جوں کے توں رہتے ہیں تو جبینوں پر پڑے محراب بھی ریا کاری اور منافقت کے مترادفات میں شامل کر دیئے جاتے ہیں' تلوار اٹھانے سے پہلے کردار سازی کا مرحلہ بھی طے کرنا پڑتا ہے اور شخصیت کی تعمیر اور کردار کی تشکیل نفس کے خلاف جہاد کئے بغیر ممکن نہیں' لذات نفسانی کے خلاف جہاد میں کامیابی کے بعد دل میں اللہ کے خوف کے سوا کسی کا خوف باقی نہیں رہتا۔ زبان صدیقی رضی اللہ عنہ سے اس کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ "اگر سرزمین مکہ کا ایک شخص بھی میرا ہمنوا نہ ہو تب بھی ابوبکر جہاد سے باز نہ آئے گا"

مرحلہ ثانیہ

اپنے من کے اندھیروں کے خلاف جنگ کرنے کا صلہ یہ ملتا ہے کہ مومن کے دل میں تقویٰ' طہارت' پاکیزگی اور نیکی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں باطن کا اجلاپن ظاہر پر بھی محیط ہو جاتا ہے اور اردگرد کا ماحول بھی پاکیزہ اور منزہ فضا میں سانس لینے لگتا ہے' حالانکہ پورے کا پورا ماحول تاریکی میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے' ہر طرف قارونیت اور فرعونیت کی حکمرانی نظر آتی ہے۔ مذہبی پیشوا (الا ماشاء اللہ) چند اَیک کو چھوڑ کر انانیت کے بت اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتے ہیں۔ سیاسی رہنما ہوس اقتدار کی آگ میں جل رہے ہوتے ہیں اور طاقت کے نشے میں سرشار ہر اخلاقی قدر کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے اڑاتے چلے جاتے ہیں' درویشی کی آڑ میں دکانداریاں سجائی جاتی ہیں' اقبال" پکار اٹھتے

ہیں۔

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

دوسرے مرحلے میں انسان جھوٹے خداؤں کی عملاً نفی کرتا ہے' کمر ہمت باندھ کر اصلاح معاشرہ کے لئے اپنی تخلیقی توانائیاں وقف کر دیتا ہے وہ نہ زمانے کے رسم و رواج سے ڈرتا ہے نہ اعزہ و اقارب کی مخالفت اس کے پاؤں کی زنجیر بنتی ہے نہ برادریوں کے طعنے اس کا راستہ روک سکتے ہیں اور نہ گردوپیش کی ان گنت رکاوٹیں اس کے راستے کی دیوار بن سکتی ہیں پورا معاشرہ ایک طرف اور بندہ خدا ایک طرف' کامرانی بالآخر مرد خدا کا مقدر بنتی ہے۔

مرحلہ ثالثہ

یہ مرحلہ فیصلہ کن مرحلہ ہوتا ہے' اس مرحلے میں ظلم پر مبنی استحصالی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے' جہاد کے اس مرحلہ کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اللہ کی راہ میں مجبوروں اور مقہوروں کے تحفظ کے لئے جنگ کیوں نہیں کرتے؟ قرون اولیٰ میں جب کسی جگہ پر معمولی سا ظلم بھی ہوتا تو پورا عالم اسلام تڑپ اٹھتا ایک بیٹی کی فریاد پر محمد بن قاسم اپنے عساکر کے ساتھ آتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے راجا داہر سے خونریز معرکے ہوتے ہیں اور سندھ باب الاسلام کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔

مجاہدانہ سیرت و کردار کا مالک ایک مومن جلال و جمال کا ایک دلنواز پیکر بھی ہوتا ہے اس کی خلوتیں اور جلوتیں دونوں احکام خداوندی اور اتباع شریعت کی آئینہ دار ہوتی ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ (ﷺ) کے ساتھ ہیں وہ

سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط (الفتح ۴۸:۲۹)

کافروں کے مقابلہ میں سخت (اور زور آور) ہیں (لیکن) آپس میں رحم دل (اے دیکھنے والے) تو (بھی) دیکھتا ہے کہ وہ (کبھی) رکوع (کبھی) سجود میں ہیں (غرض ہر طرح) اللہ سے اس کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار ہیں ان کی علامت ان کے چہروں پر نمایاں ہے جو سجدوں کا اثر ہے۔

حکم ہے کہ عالم کفر کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ' دشمنان دین پر نہایت سخت گیر ہو جاؤ لیکن ایک دوسرے کے لئے محبت اور اخوت کے پیکر بن جاؤ' کفر کے ساتھ حق کی مفاہمت ممکن ہی نہیں' مصلحت کی زنجیریں اہل حق کے پاؤں کی زنجیریں نہیں بنتیں۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

احکام اسلام میں جہاد کا مقام

غلامی کی طویل اور سیاہ رات میں حریت فکر کی شمع کی لو بھی مدھم پڑ جاتی ہے' فکر و نظر کے زاویے تبدیل ہو جاتے ہیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر ترجیحات بدل جاتی ہیں' ملی غیرت اور قومی حمیت جیسی چیزیں قصہ پارینہ بن جاتی ہیں' قومی وقار و تمکنت' جاہ و جلال اور شوکت و عظمت کا وجود عملی طور پر ختم ہو جاتا ہے اور اپنی ثقافت اور کلچر سے رشتہ کٹ جاتا ہے۔ غلام قوموں کی سوچ بھی غلامانہ ہو جاتی ہے' فصیلِ دیدہ و دل پر چراغ بھی جلنے کا ہنر کھو بیٹھتے ہیں' برصغیر پر تسلط جمانے کے بعد برطانوی استعمار نے سب سے پہلے مسلمانوں کے نظام تعلیم کو اپنے مفادات کی روشنی میں از سر نو مرتب کیا اور

مسلمانوں کو ان کے عظیم الشان ثقافتی ورثے کے بارے میں معذرت خواہانہ لہجہ اپنانے پر مجبور کر دیا' عالمی سامراج سے برطانوی سامراج تک سب مسلمانوں کے جذبۂ عشقِ رسول ﷺ اور جذبۂ جہاد سے خوفزدہ تھے اور ہیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حریت فکر کسی وقت بھی سیاسی بیداریوں کا باعث بن سکتی ہے۔ نت نئے مذاہب متعارف کرائے گئے' قادیانی فتنہ کے ذریعہ جہاد کی روح کو ختم کرنے کی سازش کی گئی اور جہاد بالسیف کو غیر ضروری قرار دے کر اور اس کے ڈانڈے دہشت گردی سے ملا کر اسلام کے پیروکاروں پر خونریزی کا بہتان باندھا گیا' مستشرقین کی بدگمانیوں اور غلط بیانیوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ہمارے بعض اہل قلم نے جہاد کے بارے میں دفاعی نقطۂ نظر اپنانے ہی میں عافیت محسوس کی' مسلسل پروپیگنڈے نے ذہنوں کو ماؤف کر دیا اور ذہنِ جدید میں شکوک و شبہات کی راکھ بھر دی' یہاں تک لکھا گیا کہ اسلام کی اشاعت کا تلوار کے ساتھ کوئی تعلق نہیں' یہ سچ ہے کہ اسلام کردار کی خوشبو سے پھیلا اور اسلام کی اصل قوت یہی اخلاقی قدریں ہیں لیکن دین کی سربلندی کے لئے قوت نافذہ کے حصول کے لئے میدان کارزار میں دشمن کی عسکری قوت کو تباہ و برباد کرنے کے لئے تلوار کو بے نیام کرنا اکثر اوقات ناگزیر ہو جاتا ہے اور اسلام اس ناگزیریت پر کہیں بھی کوئی قدغن نہیں لگاتا' اخلاقی قدروں کی حفاظت جہاد کے بغیر ممکن نہیں' حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا۔

عن ثوبان قال قال رسول اللہ ﷺ یوشک الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الاکلۃ الی قصعتھا فقال قائل و من قلۃ نحن یومئذ قال بل انتم یومئذ کثیر و لکنکم غثاء کغثاء السیل و لینزعن اللہ من

قریب ہے کہ تم (مسلمانوں) پر دوسری اقوام اس طرح حملہ آور ہوں گی جیسے بھوکے کھانے سے بھرے ہوئے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں' کسی نے پوچھا کیا اس وقت ہم تعداد میں تھوڑے ہوں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں! بلکہ تعداد

صدور عدوکم المهابة منکم ولیقذفن اللّٰہ فی قلوبکم الوهن فقال قائل یا رسول اللہ و ما الوهن قال حب الدنیا و کراهیة الموت

(سنن ابی داؤد، ۲: ۲۴۲)

کے لحاظ سے تم ان دنوں کہیں زیادہ ہو گے لیکن ایسے بیکار ہو گے جیسے سمندر کی جھاگ (تمہاری حیثیت کچھ نہ ہو گی) اللہ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت اٹھا لے گا اور تمہارے دلوں میں "وھن" ڈال دے گا' کسی نے پوچھا "وھن" (بزدلی) کیا چیز ہے؟ فرمایا۔ دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔"

وہ قومیں جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا ہنر جانتی ہیں' باوقار زندگی بھی انہی کے مقدر میں لکھی جاتی ہے آج ہم دنیا کی محبت میں اتنے دور نکل گئے ہیں کہ بظاہر واپسی کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا' بے پناہ افرادی قوت کے باوجود اقوام مغرب ہمیں برابری کا درجہ دینے کے لئے بھی تیار نہیں' ان کے دلوں سے ہماری ہیبت نکل چکی ہے کیونکہ ہم نے اس سفر کے انقلابی کردار سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے اور اسلام کو مسجدوں' خانقاہوں اور مدرسوں تک محدود کرنے کی سامراجی سازش کو اپنی حماقتوں سے مکمل کر رہے ہیں' فرمان رسول ﷺ حرف بحرف سچ ثابت ہو رہا ہے۔

جہاد بالسیف سے انکار کفر ہے

اسلام کے بارے میں مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے حوالے سے ہونے والے اشتعال انگیز پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر جہاد کے بارے میں خود ساختہ فلسفے تخلیق کرنا اور پھر اپنی ہرزہ سرائیوں کو حرف آخر جان کر جمہور امت کے خلاف محاذ آرائی اور بہتان تراشی پر اتر آنا' یا جہاد بالسیف سے فرار کی راہ اختیار کرنا یا صریحا

اس کا انکار کر دینا کفر ہے اور امت مسلمہ میں ایک بہت بڑا فتنہ ہے جسے سر اٹھانے سے پہلے ہی کچل دینا چاہئے تھا لیکن بد قسمتی سے ایسا نہیں ہو سکا اب یہ پودا ایک ایسے درخت میں تبدیل ہو چکا ہے کہ جس کی جڑیں کاٹنے کے لئے سخت مشقت کی ضرورت ہو گی۔ اصل میں یہود و ہنود اور نصاریٰ مسلمانوں کی تلوار سے خائف ہیں کبھی وہ دام ہمرنگ زمین بچھاتے ہیں اور مسلمانوں کو "رواداری" کا درس دینے لگتے ہیں کبھی ان پر خونریزی کا الزام لگا کر انہیں اپنے ماضی سے تائب ہونے کی ترغیب دینے لگتے ہیں' انہوں نے ایک نئے انداز سے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا آغاز کر رکھا ہے' وہ کسی بھی اسلامی ملک کو ایٹمی طاقت کے طور پر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں' ان سامراجی طاقتوں کی منصوبہ بندی یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر میدان میں پس ماندہ رکھا جائے' جدید ترین ٹیکنالوجی کا حصول ان کے لئے ناممکن بنا کر انہیں شدید احساس محرومی میں مبتلا کر دیا جائے' نہ صرف ان کے مادی وسائل سے اپنے ملکوں کی معیشت کو مستحکم بنایا جائے بلکہ مسلمانوں کی عسکری قوت کو کچل کر انہیں مسلسل اعصاب شکن ماحول دیا جائے تاکہ وہ اور ان کی نسلیں سر اٹھا کر چلنے کا تصور بھی نہ کر سکیں' امن عالم کے ٹھیکیدار مسلمانوں کو اپنی تلواریں نیام میں کر لینے کا مشورہ دیتے ہیں اور خود جدید ترین اسلحے کے انبار لگا رہے ہیں' کیمیاوی ہتھیار اور میزائل بنا رہے ہیں' امن کی فاختہ لہو لہان ہے' اقوام متحدہ بے بسی کی تصویر بنی ہوئی ہے' خون مسلم سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔

قبائے امت مسلم سے خوں ٹپکتا ہے

جہاد کے بغیر کھوئے ہوئے وقار کا حصول ممکن ہی نہیں' جہاد کے بغیر نئی نسل کو باوقار مستقبل کی ضمانت نہیں دی جا سکتی کیونکہ محض وعظ و نصیحت سے غلبۂ دین حق کی بحالی ممکن نہیں' حضور ﷺ نے اپنی حیات مبارک میں جہاد بالسیف کا فریضہ سرانجام دیا کیونکہ اس کے بغیر جزیرۃ العرب میں امن کا قیام ممکن نہ تھا۔ آپ ﷺ خود ایک

بے مثل خطیب تھے' جذبات میں آگ لگا دینے والے شعراء آپ کے ساتھ تھے' مبلغین اسلام کی ایک جماعت آپ کے ہمراہ تھی۔ پھر بھی جہاد بالسیف کی ضرورت پیش آئی اس لئے کہ فتنہ فساد کے مراکز کو ختم کرنے کے لئے ظلم کے خلاف ہتھیار اٹھانا ضروری ہو گیا تھا' جہاد کبھی فرض عین ہوتا ہے' کبھی فرض کفایہ' کبھی واجب' کبھی سنت اور کبھی مستحب' بعض حالتوں میں بعض لوگ جہاد بالسیف سے مستثنیٰ بھی ہوتے ہیں' کیونکہ سب لوگ لڑنے کے اہل بھی نہیں ہوتے' کوئی معذور بھی ہو سکتا ہے اور کوئی شدید علیل بھی' اور پھر سب لوگوں کا بیک وقت عملاً جنگ میں شرکت کرنا بھی ممکن نہیں ہوتا جنگ کے ایام میں فوج کا ایک حصہ مرکز کی حفاظت کے لئے بھی متعین ہوتا ہے' محاذ جنگ پر لڑنے والے سپاہیوں کو اسلحہ اور خوراک کی سپلائی کے لئے افراد کام کرتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط (التوبہ ۹: ۱۲۲)

اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سارے کے سارے مسلمان (ایک ساتھ) نکل کھڑے ہوں۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ نے اعلان عام فرما دیا تھا کہ سب جہاد کے لئے نکلیں اور کوئی پیچھے نہ رہے' جو صحابہؓ کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے حضور ﷺ نے ان سے باقاعدہ باز پرس کی۔ بعض اوقات حالات متقاضی ہوتے ہیں کہ ہر فرد کو عملاً جہاد میں شریک ہونا پڑتا ہے۔

ہر نیک عمل جہاد ہے

جہاد کی جامعیت اور وسعت کے حوالے سے اوپر بحث ہو چکی ہے' جہاد مذکورہ اقسام تک ہی محدود نہیں بلکہ ہر نیک کام اور ہر فرض کی ادائیگی میں اپنی جان و مال کی قوت صرف کرنے کا نام جہاد ہے' جب خواتین نے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی تو

آپ ﷺ نے انہیں حج ادا کرنے کی تلقین کی کہ حج کا فریضہ ادا کرنا ہی تمہارے لئے جہاد کا درجہ رکھتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔

عن عائشہ ام المئومنین قالت استاذنت النبی ﷺ فی الجهاد فقال جهاد کن الحج

(صحیح البخاری، ۱: ۴۰۲)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا جہاد حج ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان رجلا هاجر الی رسول الله ﷺ من الیمن فقال هل لک احد بالیمن فقال ابوای فقال اذ نالک قال لا قال ارجع الیهما فاستاذنهما فان اذنالک فجاهد و الا فبر هما

(سنن ابی داؤد، ۱: ۳۴۹۔۳۵۰)

یمن سے ایک صحابی (جہاد میں شرکت کی نیت سے) حاضر خدمت ہوئے، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یمن میں تمہارا کوئی ہے بھی؟ عرض گزار ہوا کہ میرے والدین ہیں فرمایا کیا ان سے اجازت لی ہے؟ عرض کی نہیں فرمایا ان کے پاس واپس جاؤ اور ان سے اجازت طلب کرو اگر وہ تمہیں اجازت دیں تو جہاد کرو، ورنہ ان دونوں کے ساتھ نیکی (خدمت) کرو۔ یعنی ان کی خدمت ہی تمہارے لئے جہاد ہے۔

جہاد کا عقلی جواز

ہوائیں اگر چلنے کا ہنر کھو بیٹھیں، پھول اگر مہکنے کی ادا بھلا دیں، دھنک اگر رنگ بکھیرنے کی خوئے دلنواز سے محروم ہو جائے۔ تتلیاں، جگنو اور پرندے اگر فضا

میں اڑنا چھوڑ دیں' کالی گھٹائیں اگر تشنہ زمینوں پر اترنے کی عادت ترک کر دیں تو یہ دنیائے رنگ و بو قریۂ قضا میں بدلی جائے گی سارے رنگ' ساری خوشبوئیں اور سارے موسم خطۂ دیدہ و دل سے ہجرت کر جائیں گے۔ رعنائیٔ خیال دم توڑ دے گی اور ندرتِ فکر اپنی موت آپ مر جائے گی اس لئے کہ حرکت زندگی کی علامت ہے اور جمود موت کا استعارہ ہے' جہاد جمود مسلسل کے قفل توڑ کر عزم و عمل کے دروازے کھولتا ہے' بے عملی اور بے بسی کی ردائے خبیثہ کو تار تار کرتا ہے' فلسفۂ جہاد کو عملاً نافذ کئے بغیر ایک باوقار زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا' بزدلی قوموں کو مصلحت کی زنجیریں پہننے پر مجبور کر دیتی ہے' غلامی پر رضامند قومیں اپنے بچوں کا مستقبل تک گروی رکھ دیتی ہیں جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات کے سوا کچھ بھی نہیں' شجاعت' دلیری' بہادری جیسے اوصاف میدان جنگ میں دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جانے سے ہی پیدا ہوتے ہیں' جہاد کے بغیر آزاد زندگی کا تصور بھی ممکن نہیں'

ظہور اسلام سے پہلے عربوں کی حالت زار کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے لیکن اپنی تمام اعتقادی گمراہیوں' معاشرتی بے اعتدالیوں اور سماجی بے راہرویوں کے باوجود غیرت' شجاعت' جرأت اور سخاوت جیسے اوصاف عربوں کی فطرت میں شامل تھے' اگرچہ جزیرہ نمائے عرب میں اس وقت کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی' پورا عرب' قبائل میں بٹا ہوا تھا جن کے درمیان اکثر خونریز جنگوں کا سلسلہ برس ہا برس چلتا رہتا اس کے باوجود اس وقت عربوں جیسی گرم دم جستجو کوئی اور قوم نہ تھی کھری اور دو ٹوک بات کرنا ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی' تند خو عرب مصلحت کوشیوں سے کوسوں دور تھے' شاید ان کے انہی اوصاف کی بنا پر قدرت نے انہیں دنیا کی امامت کے لئے منتخب کیا۔

کہا جاتا ہے کہ جنگ ہمیشہ تباہی لاتی ہے۔ جانوں کا اتلاف ہوتا ہے' اموال تباہ ہوتے ہیں' آپس میں نفرتیں بڑھتی ہیں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنگ قوم کے قوائے خفتہ کو بیدار کرنے کا سبب بنتی ہے' باہم متصادم طبقات' وقتی طور پر ہی سہی' اتفاق و اتحاد کا مظاہرہ کرتے دکھائی دیتے ہیں' اشتراک عمل کی یہ صورتیں صرف میدان جنگ

تک ہی محدود نہیں رہتیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اس کے واضح اثرات دیکھے اور محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ وطن سے محبت کا جذبہ فروغ پاتا ہے قوت کار اور رفتار کار میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور وطن کی مٹی کی خوشبو سے مشام جاں مہکنے لگتا ہے۔

جب تک جہادی روح برقرار رہتی ہے' اس وقت تک ملک و قوم کے لئے کچھ کر گزرنے کا جذبہ بھی زندہ و بیدار رہتا ہے۔ خود مرعوب ہونے کی بجائے فریق مخالف پر رعب اور دبدبہ قائم ہو جاتا ہے' ملک کی سرحدیں پھیلتی ہیں اور دیگر کئی اقوام اپنے اقتدار اعلیٰ کے تحفظ کے لئے اس کی طرف پر امید نظروں سے دیکھنے لگتی ہیں' جذبۂ جہاد سے بلند حوصلگی اور محنت و مشقت کی عادت پیدا ہوتی ہے جس کا اثر زندگی کے مختلف شعبوں میں تعمیر و ترقی کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ بزدلی افکار کو بھی پژمردہ کر دیتی ہے' شمشیر و سنان ہاتھ سے چھوٹ جاتے ہیں تو رقص و سرود کی محفلیں جمنے لگتی ہیں اور طبیعت طاؤس و رباب کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔

اپنے دین' قوم اور ملک کی عصبیت کا کامل ظہور بھی زمانہ جنگ ہی میں ہوتا ہے' عصبیت جملہ اخلاقی محاسن کا ایک ذخیرہ ہے جو قومی تشخص کو مٹنے نہیں دیتی' تفرقہ بازی' سیاسی اختلافات اور خود غرضی مٹ جاتی ہے اسی جہادی روح اور اسلامی عصبیت نے مسلمانوں کو ناقابل تسخیر بنا دیا تھا' تاریخ عالم گواہ ہے کہ انسان فطرتاً قوت اور طاقت کے آگے سر جھکاتا ہے بعض مظاہر فطرت کی پرستش کی بھی بنیادی وجہ یہی تھی' بہر حال قوت ہمیشہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر فیصلہ کن طاقت رہی ہے' یہ قوت علمی و فکری ہو یا مادی و روحانی اس کی کوئی بھی شکل ہو' کوئی بھی صورت ہو اس کے کردار سے صَرفِ نظر کر کے آگے نہیں بڑھا جا سکتا' میدان جنگ میں ہارنے کے بعد مفتوح قوم فکری و نظریاتی' معاشی و معاشرتی غرض ہر میدان میں فاتح قوم سے متاثر اور مغلوب دکھائی دیتی ہے۔ احساس کمتری کا کچھ اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ محکوم اقوام فاتحین جیسی وضع قطع اختیار کر کے اپنی "نیک نیتی" اور وفاداری کا ثبوت دیتی ہیں۔ ملی غیرت اور حریت فکر کے پیکران وفا سامراج کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں لیکن عام آدمی

سر تسلیم خم کرنے ہی میں عافیت سمجھتا ہے حتیٰ کہ فاتح جیسی وضع قطع میں اپنے آپ کو رنگ لیتا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ جہاد سے صَرف نظر کرنے کے بعد مسلمانوں نے اجتہاد کے دروازے بھی بند کر دیئے اور ان پر بڑے بڑے قفل چڑھا کر نئے عہد کے نئے مسائل سے مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کرنے لگے۔ تحرک ختم ہوا' تحریک ختم ہوئی' مضطرب موجوں سے آشنائی ختم ہوئی اور اس کی جگہ جمود اور تقلید محض نے لے لی جب تک مسلمانوں میں روح جہاد زندہ وبیدار رہی اس وقت تک فتوحات کا شاندار سلسلہ بھی جاری رہا مسلمانوں نے اقوام عالم کو ایک نئی تہذیب اور نئی ثقافت سے روشناس کرایا اور علم' تقویٰ اور دانائی معیار فضیلت ٹھہرا۔ معاشرتی میل جول نے وحشت اور بربریت کا مظاہرہ کرنے والوں کو متمدن اور مہذب اقوام بنا دیا۔ اس کے برعکس جب جہادی روح پر جمود طاری ہوا۔ جاں نثاری کا جذبہ ماند پڑنے لگا' مسلمانوں نے طاؤس و رباب کو ہی سب کچھ سمجھ لیا تو اخلاقی قوت جو ان کی سب سے عظیم طاقت تھی ماند پڑنے لگی' مادی وسائل کہاں تک ساتھ دے سکتے ہیں۔ اجتماعی مفادات کے تحفظ اور امن وسلامتی کی بقاء کے لئے ہر مرحلے اور ہر سطح پر جہادی جذبہ برقرار رہنا چاہئے۔ میدان جنگ میں قوموں کے زندہ رہنے کی صلاحیت کا اندازہ ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے پر فوقیت بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا آگ اور خون کا یہ کھیل' بعض تحفظات کے ساتھ' ایک لحاظ سے انسانیت کے لئے باران رحمت کی گھٹا ثابت ہوتا ہے' فتنہ وفساد' شر اور ظلم کے خاتمے سے انسانیت امن وسکون کا سانس لیتی ہے۔ جنگجوئی سے وصف شجاعت کو جلا ملتی ہے' غیرت ملی کی آبیاری ہوتی ہے' حریت فکر کو تازہ ہواؤں کا لمس عطا ہوتا ہے۔ اسلامی تمدن جہادی روح کے باعث ہی بام عروج پر پہنچا اور ہمدوش ثریا ہوا۔ جذبہ جہاد امن پسندی کی ضد نہیں جہاد کا تو مقصود ہی' قیام امن ہے۔ امن پسندی یقیناً ایک پسندیدہ فعل ہے لیکن بعض اوقات امن پسندی کے کھوکھلے نعروں کے پیچھے سفلی جذبات کام کر رہے ہوتے ہیں۔ بزدل' عیش پسند اور نفس پرست جہاد کے نام سے ہی بدکنے لگتے ہیں کیونکہ سروں پر کفن باندھ کر میدان جنگ میں اترنے سے ان کے

عیش و آرام میں خلل پڑتا ہے اور جہاد کا نام ان کی طبع نازک پر گراں گزرنے لگتا ہے۔ عہد حاضر میں بڑی طاقتیں امن کا لیبل لگا کر بارود کے ڈھیر تخلیق کرنے میں مصروف ہیں۔ امن عالم کی باتیں منافقت اور ریاکاری کے سوا کچھ بھی نہیں۔ بزدلی اور مصلحت کوشی کا نام ڈپلومیسی رکھ دیا گیا ہے۔ پہاڑی علاقے میں دریا جب تنگ گھاٹیوں سے گزرتا ہے تو رکاوٹوں کے باعث اس میں طغیانی اور قوت پیدا ہوتی ہے۔ رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے پانی سرعت کے ساتھ بہتا ہے میدانی علاقے میں جونہی رکاوٹیں ختم ہوتی ہیں تو سرعت' روانی اور قوت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

فضیلتِ جہاد:

جہاں تک جہاد کی فضیلت کا تعلق ہے تو اللہ رب العزت نے اس کو قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

۱- إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○ (الصف' ۶۱: ۴)

بے شک اللہ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح قطار باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں (سخت مضبوط اور مستحکم جیسے کفار کے مقابلہ میں اصحاب رسول ﷺ)

اس آیت مبارکہ میں اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر دشمنان دین کا مقابلہ کرتے ہیں اور بالآخر اپنی جان کا نذرانہ اللہ کے حضور پیش کر دیتے ہیں، تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرنے لگ جاتا ہے اور مزید یہ کہ جب مجاہدین اپنی جان قربان کر دیتے ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دیدار سے نوازتا ہے۔ یہی شوقِ لقاء محبوب ہوتا تھا جو صحابہ کرامؓ کو گھر نہیں بیٹھنے دیتا تھا بلکہ وہ چاہتے تھے کہ وہ کونسی گھڑی ہوگی جب آقائے دوجہاں ﷺ ہمیں میدان کارزار میں

اترنے کا حکم فرمائیں گے اور ہم دیدارِ الٰہی جیسی نعمت سے نوازے جائیں گے۔ بعض اوقات تو یہ جذبہ اس قدر شعلہ بن کر ان کے اندر بھڑکتا تھا کہ وہ آقائے دوجہاں ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جہاد کی اجازت طلب کرتے اور جب اجازت نہ ملتی تو زار و قطار رونا شروع کر دیتے اور انہی آنسوؤں کے ساتھ واپس اپنے گھروں کو لوٹتے تھے۔

قرآن مجید میں اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

۲ - وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ○ (التوبہ ۹:۹۲)

اور نہ ایسے لوگوں پر (طعنہ والزام کی راہ ہے) جبکہ وہ آپ کی خدمت میں (اس لئے) حاضر ہوئے کہ آپ انہیں (جہاد کے لئے) سوار کریں (کیونکہ ان کے پاس اپنی کوئی سواری نہ تھی تو) آپ نے فرمایا میں (بھی) کوئی (زائد سواری) نہیں پاتا ہوں جس پر تمہیں سوار کر سکوں تو وہ (آپ کے اذن سے) اس حالت میں لوٹے کہ ان کی آنکھیں (جہاد سے محرومی کے) غم میں اشکبار تھیں کہ (افسوس) وہ (اس قدر) زاد راہ نہیں پاتے جسے وہ خرچ کر سکیں (اور شریک جہاد ہو سکیں)

جہاد میں شرکت نہ کرنے والوں پر مجاہدین کی فضیلت کو یوں بیان فرمایا۔

۳ - لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَ الْمُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ

مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو (جہاد سے جی چرا کر) بغیر کسی (عذر و) تکلیف کے (گھروں میں) بیٹھے رہنے والے ہیں اور

اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً (النساء، ۴:۹۵)

وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والے ہیں (یہ دونوں درجہ و ثواب میں) برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر مرتبہ میں فضیلت بخشی ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت کی وجہ سے ہی اسے تمام انسانی اعمال میں ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑا درجہ دیا گیا اور حقیقت پسندانہ نظروں سے دیکھا جائے تو یہی چیز تمام فضائل و مکارم اخلاق کی روح اور اصل ہے۔ قرآن مجید میں مختلف آیات بیان کی گئی ہیں جن میں فضیلت جہاد کو اجاگر کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا:

۱- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (الصف، ۶۱:۱۰-۱۱)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا

۵- اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

کیا تم نے (محض) حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی آبادی و مرمت کا بندوبست کرنے (کے عمل) کو اس شخص کے (اعمال) کے برابر قرار دے رکھا ہے

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَاللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ○

(التوبہ ۹:۱۹۔۲۰)

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آیا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا' یہ لوگ اللہ کے حضور برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے وہ اللہ کی بارگاہ میں درجہ کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں اور وہی لوگ ہی مراد کو پہنچے ہوئے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر جہاد کو بیوی' بچوں کی محبت اور مال ودولت کی محبت سے زیادہ محبوب قرار دیا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ○

(التوبہ ۹:۲۴)

(اے نبی مکرم) آپ فرما دیں اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارتی کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو' تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ

اللہ اپنا حکم (عذاب) لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

جہاد تو ایمان کی پہچان ہے اور ایمان میں سچا انہی لوگوں کو قرار دیا گیا جو جان اور مال سے جہاد کرتے ہیں۔

۷- إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ○ (الحجرات، ۴۹:۱۵)

بے شک مومن (تو) وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر (دل و جان سے) ایمان لاتے ہیں پھر (اس میں ذرا) شک نہیں کرتے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے ہیں یہی لوگ سچے (اور پکے مسلمان) ہیں۔

اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے لیکن اللہ کی رحمت کے کون لوگ امیدوار ہو سکتے ہیں اس کا ذکر بھی جہاد کے حوالے سے فرمایا گیا۔

۸- إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمُ○ (البقرہ، ۲:۲۱۸)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کے لئے وطن چھوڑا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

علاوہ ازیں مختلف احادیث میں بھی جہاد کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

۱- عن انس بن مالک قال قال رسول اللّٰہ ﷺ یعنی یقول اللّٰہ المجاھد فی سبیلی ھو علی ضمان ان قبضتہ اورثتہ الجنۃ وان رجعتہ رجعتہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو شخص میرے راستے میں جہاد کرتا ہے میں اس

باجر او غنیمۃ (جامع الترمذی، ۱:۱۹۵) کا ضامن ہوں اگر میں اس کی روح قبض کرتا ہوں تو اسے جنت کا وارث بناتا ہوں اور اگر واپس (گھر) لوٹاتا ہوں تو ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ لوٹاتا ہوں۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ مجاہد پر انعامات خداوندی اس قدر ہوتے ہیں کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اگر وہ جان قربان کر دیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ اپنی جنت کی ضمانت فراہم کرتا ہے اور اگر وہ غازی بن کر گھر لوٹتا ہے تو اس وقت بھی اللہ کا سحاب کرم اس قدر اس پر برستا ہے کہ اسے اپنے عظیم اجر سے نوازتا ہے اور مال غنیمت سے بھی اسے سرخرو کرتا ہے۔ الغرض مجاہد دنیوی اور اخروی ہر اعتبار سے انعامات الٰہیہ سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

لیکن اس کے برعکس وہ شخص جو جہاد سے جی چراتا ہے اور میدان کارزار میں دشمن کا مقابلہ نہیں کرتا اور بزدلی سے کام لیتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات کی بارش بند ہو جاتی ہے اور اسے قیامت سے قبل قیامت جیسی مصیبت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ **عن ابی امامۃ عن النبی ﷺ قال من لم یغز او یجهز غازیا او یخلف غازیا فی اهله بخیر اصابه الله (سبحانه) بقارعة قبل یوم القیامة** (سنن ابی داؤد، ۱:۳۴۶)

حضرت ابو امامہ سے روایت ہے انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے نہ تو خود جہاد کیا نہ مجاہد کے لئے سامان (جہاد) مہیا کیا اور نہ مجاہد کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والوں کے ساتھ کوئی بھلائی کی تو اللہ تعالیٰ اسے

قیامت سے پہلے ہی قیامت جیسی مصیبت
میں مبتلا کردے گا۔

اس حدیث پاک سے ہمیں جو درس عمل ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں جہاد میں آنے والے مصائب و آلام سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ ثابت قدمی سے ان کو برداشت کرنا چاہیے اور دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص یہ تصور کرے کہ ان تکالیف سے گھر بیٹھ کر بچ سکتا ہوں تو ایسا ہرگز نہیں۔ جو ایسا بزدلانہ کردار ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے گھر بیٹھے اس کی بزدلی کی سزا اس طرح دیتا ہے کہ اسے قیامت سے پہلے ہی قیامت جیسی مصیبتوں میں مبتلا کردیتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ میدان عمل میں اتر کر صبر و استقامت کے ساتھ مصائب و آلام کا مقابلہ کریں اور دشمنان دین سے نبرد آزما ہو کر غلبہ دین حق کی بحالی کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہیں اور اپنی مسلسل کوششوں سے شمع اسلام کو چار دانگ عالم میں روشن کریں۔

۳۔ عن ابی سعید خدری قال سئل رسول اللہ ﷺ ای الناس افضل قال رجل یجاھد فی سبیل اللہ قالوا ثم من قال ثم مومن فی شعب من الشعاب یتقی ربہ ویدع الناس من شرہ (صحیح البخاری، ۱:۳۹۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا انسان افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ پوچھا پھر کون؟ فرمایا وہ مومن جو کسی گھاٹی میں سکونت پذیر ہو اپنے رب سے ڈرے اور لوگوں کو اپنی شر سے محفوظ رکھے۔

۴۔ قال رسول اللہ ﷺ من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ لھما حرام علی النار (جامع ترمذی، ۱:۱۹۶)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہو جائیں ان پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔

۳۔ عن ابی ھریرہ قال قال رسول

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

الله ﷺ ما من مجروح یجرح فی سبیل الله والله اعلم بمن یجرح فی سبیل الله الا جاء یوم القیامة وجرحه کهیئة یوم جرح اللون لون دم والریح ریح مسک

(سنن ابن ماجہ ۲۰۱:۱)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا' جو شخص اللہ تعالی کی راہ میں زخمی ہوتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون اللہ کی راہ میں زخمی ہوا تو وہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کے زخم تازہ ہوں گے۔ رنگ تو خون کا ہوگا لیکن خوشبو مشک کی ہوگی۔

۵ - عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال عرض علی اول ثلاثة یدخلون الجنة شهید و عفیف متعفف و عبدا حسن عباده الله ونصح لموالیه (جامع ترمذی' ۱:۱۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے سامنے جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے تین اشخاص پیش کئے گئے' ایک شہید' دوسرا پاک دامن اور حرام و شبہات سے بچنے والا اور تیسرا وہ شخص جو اللہ تعالی کی عبادت اچھی طرح کرتا ہے اور مالکوں کی خیر خواہی کرتا ہے۔

اللہ کی راہ میں قربان ہونے والا شخص جہاں جنت جیسی نعمت سے بہرہ ور ہوگا وہاں کئی اور بھی لوازمات و احسانات سے نوازا جائے گا۔ لیکن وہ شخص جو میدان کار زار میں اتر آتا ہے لیکن اس کے پیش نظر ریاکاری اور طلب دنیا ہوتی ہے تو اس کا جہاد جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہوتا ہے۔ اللہ کی راہ میں لڑا جانے والا جہاد وہ ہے جس میں مقصود اعلائے کلمۃ اللہ ہوتا ہے۔

۶- عن ابی موسی قال سئل رسول الله ﷺ عن الرجل یقاتل شجاعة

حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ سے ایسے شخص کے

وبقاتل حمیۃ وبقاتل ریاء فای ذالک فی سبیل اللہ قال من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ (جامع الترمذی، ۱:۱۹۸)

بارے میں پوچھا گیا جو بہادری دکھانے کے لئے لڑتا ہے اور جو آدمی غیرت کی خاطر لڑتا ہے اور جو شخص دکھاوے کے لئے لڑتا ہے ان میں سے کون اللہ کے لئے لڑ رہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ (دین) بلند رہے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہے۔

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! لوگوں میں سے کون شخص سب سے زیادہ افضل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

۷۔ مومن یجاھد فی سبیل اللہ بنفسہ ومالہ (صحیح البخاری، ۱:۳۹۱)

وہ مومن جو اپنی جان اور اپنے مال کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کرے۔

ایک بار رسول خدا ﷺ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا۔

۸۔ والذی نفسی بیدہ لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل (صحیح البخاری)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میری تو یہی آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کر دیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں۔

ایک مسلمان کی زندگی میں جہاد کس قدر اہم ہے رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد اس تصور کو واضح کرتا ہے۔

۹۔ من مات ولم یغز ولم یحدث بہ نفسہ

جو شخص مر گیا در آں حالیکہ اس نے جہاد

مات على شعبة من نفاق کیا تھا نہ جہاد کی تمنا کی تھی اس کی موت
(الصحیح لمسلم، ۲:۱۴۱) نفاق کے ایک شعبہ پر ہوگی۔

باب-۲

آداب جہاد

جہاں ایک طرف اللہ جل مجدہ نے مختلف مقامات پر جہاد کے احکامات کو بیان فرمایا وہاں دوسری طرف آداب جہاد کی بھی وضاحت فرما دی۔ اگر آداب جہاد کو پس پشت ڈال دیا جائے اور محض جذبات کی بنا پر میدان کار زار میں کودا جائے تو اس صورت میں ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا لہٰذا دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اور کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آداب جہاد سے متعلق جو تعلیمات دی گئی ہیں انہیں ملحوظ رکھا جائے اور پھر باطل و سامراجی طاقتوں کا مقابلہ کیا جائے۔

آداب جہاد بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

(الانفال ۸:۴۵-۴۶)

اے ایمان والو! جب (دشمن کی) کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ (متفرق اور کمزور ہو کر) بزدل ہو جاؤ گے اور (دشمنوں کے سامنے) تمہاری ہوا (یعنی قوت) اکھڑ جائے گی۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ان آیات مبارکہ میں غور کیا جائے تو مندرجہ ذیل امور بطور آداب جہاد کے بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ ثابت قدمی

۲۔ ذکر الٰہی

۳۔ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ

۴۔ اتحاد واتفاق

۱۔ ثابت قدمی

جہاد میں ثابت قدمی سے مراد یہ ہے کہ جہاد کی مشقتوں اور صعوبتوں کو خوش دلی سے برداشت کیا جائے اور کسی قسم کا شکوہ زبان پر نہ لایا جائے بلکہ میدان کار زار میں اترتے ہوئے یہی جذبہ ہونا چاہیے کہ میرے مولا جان چلی جائے تو کوئی بات نہیں تیرا دین سربلند ہو جائے۔ درحقیقت جان تو اسی مولیٰ کی عطا کردہ چیز ہے لہٰذا اسی کے حضور یہ نذرانہ پیش کر دینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اسی بات کی تلقین کی ہے کہ قلت تعداد کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے بلکہ صبر واستقامت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○

(الانفال ۸:۶۵۔۶۶)

اے نبی (مکرم ﷺ) آپ ایمان والوں کو جہاد کی ترغیب دیں (یعنی حق کی خاطر لڑنے پر آمادہ کریں) اگر تم میں سے (جنگ میں) بیس (۲۰) ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دو سو (۲۰۰) (کفار) پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے (ایک) سو (ثابت قدم) ہوں گے تو کافروں میں سے (ایک) ہزار پر غالب آئیں گے اس وجہ سے کہ وہ (آخرت اور اس کے اجر عظیم کی) سمجھ نہیں رکھتے۔ (سو وہ اس قدر جذبہ و شوق سے نہیں لڑ سکتے جس

قدر وہ مومن جو اپنی جانوں کا جنت اور
اللہ کی رضا کے عوض سودا کر چکے ہیں)
اب اللہ نے تم سے (اپنے حکم کا بوجھ)
ہلکا کر دیا اسے معلوم ہے کہ تم میں (کسی
قدر) کمزوری ہے سو (اب تخفیف کے
بعد حکم یہ ہے کہ) اگر تم میں سے (ایک)
سو (آدمی) ثابت قدم رہنے والے ہوں
(تو) وہ دو سو (کفار) پر غالب آئیں گے
اور اگر تم میں سے (ایک) ہزار ہوں (تو)
وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار (کافروں) پر
غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنے
والوں کے ساتھ ہے۔

گویا ان آیات میں اللہ جل مجدہ نے اس بات کی صراحت فرمادی کہ نصرت خداوندی انہی کے ساتھ ہوگی جو ثابت قدم ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں گے اور خدا کے بھروسہ پر ہر قسم کی مشکلات کے سامنے ڈٹ جائیں گے۔ دوسرے مقام پر بھی اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّکَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

(النحل ۱۶:۱۱۰)

پھر آپ کا رب ان لوگوں کے لئے
جنہوں نے آزمائشوں (اور تکلیفوں) میں
مبتلا کئے جانے کے بعد ہجرت کی (یعنی اللہ
کے لئے وطن چھوڑ دیا) پھر جہاد کیا اور
(پریشانیوں پر) صبر کیا تو (اے حبیب مکرم)
آپ کا رب اس کے بعد بڑا بخشنے والا
نہایت مہربان ہے۔

بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکلنے کے بعد جب کفار سے مقابلہ کرنے کے لئے میدان عمل میں اترنا پڑا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پہلا سبق استعانت باللہ کے ساتھ ثابت قدمی کا دیا۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○

(الاعراف ۷:۱۲۸)

موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا تم اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو' بے شک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام خیر پرہیزگاروں کے لئے ہی ہے۔

بنی اسرائیل آس پاس بسنے والی بت پرست قوموں سے تعداد میں بہت کم تھے لیکن جب انہوں نے ہمت دکھائی اور ثابت قدمی سے کام لیتے ہوئے دشمن کا مقابلہ کیا تو ان کی ساری مشکلات حل ہو گئیں اور ایک مدت تک خود مختار سلطنت پر قابض ہو گئے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی اس کامیابی کا راز اسی ثابت قدمی میں ظاہر کیا ہے۔

ارشاد فرمایا

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ○

(الاعراف ۷:۱۳۷)

اور ہم نے اس قوم (بنی اسرائیل) کو جو کمزور اور استحصال زدہ تھی اس سرزمین کے مشرق و مغرب (مصر اور شام) کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور (یوں) بنی اسرائیل کے حق میں آپ کے رب کا نیک وعدہ پورا ہو گیا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے (فرعونی مظالم پر) صبر کیا تھا اور ہم نے ان (عالیشان محلات) کو تباہ و برباد کر دیا جو

فرعون اور اس کی قوم نے بنا رکھے تھے
اور ان چنائیوں (اور باغات) کو بھی
جنہیں وہ بلندیوں پر چڑھاتے تھے۔

اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل جیسی کمزور قوم فرعون جیسی طاقت کے سامنے اس لئے سربلند ہوئی کہ اس نے ثابت قدمی سے کام لیا اور اسی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو شام کی بابرکت زمین کی حکومت سے نوازا۔

جہاں تک حضور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کا تعلق ہے انہوں نے بھی اسی ثابت قدمی کی تلقین ان الفاظ میں کی۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال لا تمنوا لقاء العدو فاذا لقیتموهم فاصبروا (الصحیح لمسلم، ۲: ۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور جب ان سے مقابلہ ہو تو پھر ثابت قدم رہو (بزدلی سے کام نہ لو بلکہ جرات مندانہ کردار ادا کرو)

جن کو دل کی مضبوطی اور حق پر ثابت قدمی کی دولت ملی انہی کے حصہ میں دنیا کی فتح یابی کے ساتھ آخرت کی کامیابی بھی آئی اور جنت جیسی نعمت سے بہرہ ور ہوئے کیونکہ جنت کی بشارت اسی کے لئے ہے جس نے تلواروں کے سائے تلے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

اس سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ ثابت قدمی سے لڑ کر تن من قربان کرنے والے کو جنت جیسی نعمت عطا ہوتی ہے اور وہ مجاہد خدا کے حضور سرخرو ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص بزدلی سے کام لیتے ہوئے شکست قبول کر لیتا ہے تو اس کے اس عمل سے سوائے ذلت و رسوائی کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا اور وہ انعامات

خداوندی سے بھی محروم رہتا ہے۔

۲۔ ذکرالٰہی:

ذکرالٰہی دوسرا ادب جہاد ہے۔ ذکرالٰہی سے عام طور پر یہ مفہوم مراد لیا جاتا ہے کہ دل سے اللہ کو یاد کیا جائے اور زبان سے اسی ذات کبریا کی عظمت کے نغمے الاپے جائیں لیکن اس مقام پر ذکرالٰہی سے مراد اللہ تعالیٰ سے "مدد و نصرت کی دعا کرنا" ہے۔

ذکر کے اس مفہوم کو امام رازیؒ نے بھی ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ان المراد من هذا الذكر الدعا بالنصر والظفر لان ذالك ولا يحصل الا بمعونة اللّٰه تعالیٰ

(تفسیر کبیر، ۱۵:۱۷۱)

اس ذکر سے مراد نصرت خداوندی اور کامیابی و کامرانی کی دعا ہے کیونکہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی معونت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

میدان جنگ میں اللہ تعالیٰ سے نصرت اور کامیابی کی دعا کرنا ضروری امر ہے کیونکہ اسکے بغیر ہو سکتا ہے کہ کامیابی، ناکامی میں بدل جائے اور شکست و نامرادی کا سامنا کرنا پڑے۔ حضور ﷺ جب میدان جہاد میں دشمن سے نبرد آزما ہوتے تو اس وقت اللہ کے حضور دعائیں مانگتے تھے کہ یا اللہ دشمن کو شکست دے اور مسلمانوں کی مدد فرما۔

حدیث پاک میں آتا ہے۔

عن عبداللّٰه بن ابی اوفی قال دعا رسول اللّٰه ﷺ على الاحزاب فقال اللّٰهم منزل الكتاب سريع الحساب اهزم الاحزاب اللّٰهم اهزمهم وزلزلهم

(الصحیح لمسلم، ۲:۸۴)

حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے احزاب (کفار کے گروہوں) کے خلاف دعائے ضرر کی پس فرمایا اے اللہ! اے کتاب کے نازل کرنے والے، اے بسرعت حساب لینے والے، احزاب کو شکست دے۔ اے اللہ! ان کو شکست

دے اور ان کو متزلزل کر۔

اسی طرح غزوہ بدر کے دوران دو صحابی حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور حضرت حسیل رضی اللہ عنہ کہیں سے آرہے تھے۔ راستے میں کفار نے روکا کہ محمد ﷺ کی مدد کو جا رہے ہو انہوں نے انکار کر دیا اور عدم شرکت کا وعدہ کیا۔ جب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور صورت حال عرض کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم واپس لوٹ جاؤ ہم ان سے کیا ہوا وعدہ پورا کریں گے۔ ان کے خلاف اللہ سے مدد و نصرت طلب کریں گے۔

حدیث پاک کے الفاظ کچھ یوں ہیں۔

حدثنا حذیفہ بن الیمان قال مامنعنی ان اشھد بدرا الا انی خرجت انا وابی حسیل قال فاخذنا کفار قریش فقالوا انکم تریدون محمدا ﷺ فقلنا ما نریدہ ما نرید الا المدینہ فاخذوا منا عھد اللہ ومیثاقہ لننصرفن الی المدینہ ولا نقاتل معہ فاتینا رسول ﷺ فاخبرناہ الخبر فقال انصرفا نفی لھم بعھدھم ونستعین اللہ علیھم

(الصحیح لمسلم، ۲:۱۰۶)

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں میرے شامل نہ ہونے کی وجہ صرف یہ تھی کہ میں اور میرے والد حسیل دونوں نکلے تو ہمیں کفار قریش نے پکڑ لیا اور کہا کہ تم محمد ﷺ کے پاس جانا چاہتے ہو ہم نے کہا ہم ان کے پاس نہیں جانا چاہتے ہم تو صرف مدینہ منورہ جانا چاہتے ہیں انہوں نے ہم سے یہ عہد اور میثاق لیا کہ ہم مدینہ جائیں گے اور آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے۔ ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا تم لوٹ جاؤ ہم ان سے کیا ہوا عہد پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ

سے مدد طلب کریں گے۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ جب کبھی میدان عمل میں اتر کر دشمن کا مقابلہ کرتے تھے تو اپنے مولیٰ سے مدد و نصرت کی دعا کرتے تھے تاکہ فتح و کامیابی کے ساتھ واپس لوٹ سکیں۔

کفار پر غلبہ آنے کے لئے کبھی ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے نصرت اور ثابت قدمی کی دعا کی جاتی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قَالُوْا رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۝ (البقرہ ۲:۲۵۰)

تو عرض کرنے لگے اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر میں وسعت و ارزانی فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں پر غلبہ عطا فرما۔

ذکر الٰہی سے مراد جہاد کے دوران "نعرہ تکبیر" لگانا مراد لیا جائے تو یہ بھی درست ہے کیونکہ اس طرح کفار کے دل میں ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ مجاہدین کو جہاد سے پہلے کوئی خاص ذکر بتا دیتے تھے کی یہ زبان پر دوران جنگ جاری رکھو اس سے مومن کی پہچان رہتی ہے۔ گرد و غبار کے اندھیرے میں مومن پہچانا جائے اور مسلمانوں کے ہاتھوں نہ مارا جائے۔

الغرض، جہاد کے دوران حالت یہ ہونی چاہیے کہ باطل کو نیست و نابود کرنے کے لئے ہاتھ میں تلوار ہو زبان پر ذکر یار ہو۔ جب یہ صورت حال ہو تو اس وقت اللہ تعالیٰ "لعلکم تفلحون" کے ساتھ حقیقی فلاح کا مژدہ جانفزا سناتا ہے کیونکہ ذکر الٰہی ایک ایسا روحانی ہتھیار ہے جو کفار کے پاس نہیں ہے اس ہتھیار سے دشمن پر غالب آنا آسان ہے۔

۳۔ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ

اگرچہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری ہر وقت

ضروری ہے مگر جہاد جیسی نازک حالت میں تو بہت ہی ضروری ہے۔ موت جب انسان کی آنکھوں کے سامنے رقصاں ہو اس وقت خواہش یہ ہو کہ خدا کرے موت ان کی اطاعت میں آئے تو یہ بہترین موت ہے۔

جہاد میں اپنی ناموری و شہرت کی نیت نہ ہو اور نہ ہی مال غنیمت حاصل کرنے یا محض ملک گیری کی نیت ہو بلکہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے ہو کیونکہ جہاد انہی کی اطاعت کے ساتھ نفع بخش ہوتا ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں۔

لان الجهاد لاينفع الا مع التمسک بسائر الطاعات (تفسیر کبیر، ۱۵:۱۷۱) کیونکہ جہاد نفع نہیں پہنچاتا مگر تمام تر اطاعت کے ساتھ۔

۴۔ اتحاد و اتفاق

دوران جہاد اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرنا کامیابی و کامرانی کی اولین ضمانت ہے۔ حالت جنگ میں آپس میں لڑنا جھگڑنا گناہ بھی ہے اور سخت خطرناک بھی ہے کیونکہ دشمن سامنے ہوتا ہے۔ وہ مسلمانوں کے آپس کے نزاعات اور جھگڑوں سے فائدہ اٹھا کر جیتی ہوئی بازی ہار میں بدل سکتا ہے اور ویسے بھی جھگڑا اور نااتفاقی بزدلی کا سبب بنتا ہے اور اس طرح ہوا اکھڑ جاتی ہے اور دشمن کے دل میں مسلمانوں کا جو ایک رعب و دبدبہ ہوتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (الانفال، ۸:۴۶)

اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ (متفرق اور کمزور ہو کر) بزدل ہو جاؤ گے اور (دشمنوں کے سامنے) تمہاری ہوا (یعنی قوت) اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ

ہے۔

مسلمانوں کی نااتفاقی کے باعث کفار کا غلبہ ہو جائے گا اور امن وامان برقرار نہیں رہے گا۔

وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِیْرٌ ۝ (الانفال ۸:۷۳)

اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے مدد گار ہیں (اے مسلمانو!) اگر تم (ایک دوسرے کے ساتھ) ایسا (تعاون اور مدد ونصرت) نہیں کرو گے تو زمین میں (غلبہ کفروباطل کا) فتنہ اور بڑا فساد بپا ہو جائے گا۔

لہٰذا اس قسم کے نقصانات سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ آپس میں اتحاد واتفاق سے رہ کر اور جسد واحد کی طرح دشمن کا مقابلہ کیا جائے اور اس کو اس کے انجام تک پہنچایا جائے۔ قرآن مجید میں اتحاد واتفاق کی تلقین ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ (آل عمران ۳:۱۰۳)

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو۔

باہمی انتشار اور نزاعات سے دشمن کو موقع ملتا ہے کہ تمہیں نقصان پہنچا سکے لہٰذا ایسی حالت میں صبر واستقامت اور اتحاد واتفاق سے کام لینا چاہیے۔

۵۔ غرور سے پرہیز

مذکورہ آداب جہاد کے علاوہ ایک ادب جہاد تکبر' ریاکاری اور اترانے سے اجتناب کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ایسی عادات سے منع فرمایا ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

اور ایسے لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے تھے اور (جو

بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ۝
(الانفال ۸:۴۷)

لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اللہ ان (کاموں) کو جو وہ کر رہے ہیں (اپنے علم وقدرت کے ساتھ) احاطہ کئے ہوئے ہے۔

تکبر وغرور اور ریاکاری جیسی عادات کفار میں پائی جاتی تھیں۔ وہ جب بھی میدان جنگ میں آتے تو اپنی طاقت اور افرادی قوت پر اتراتے تھے اور فخر وغرور سے مختلف اشعار پڑھتے تھے لیکن مسلمانوں کو اس سے یہ درس عمل ملتا ہے کہ تم جہاد میں کفار مکہ ابوجہل وغیرہ کی طرح نہ ہونا جو بدر کی طرف گھروں سے اتراتے اکڑتے اور فخر وتکبر کرتے نکلے تھے۔

لہٰذا جو بدر کی طرف اتراتے ہوئے آئے ان کا انجام یہ تھا کہ ان کے ستر سردار مارے گئے اور ستر سردار قید ہوئے۔ انہوں نے بدر میں شراب ہی نہ پی بلکہ اپنے خون کے پیالے بھی پئے۔ ان کے سامنے رنڈیوں نے گانا ہی نہیں گایا بلکہ ان کی نعشوں پر ان کی عورتوں نے رویا پیٹا بھی۔ الغرض ہمیں اس قسم کے واقعات سے عبرت پکڑنی چاہیے اور ایسے افعال کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے۔

چاہئے کہ انسان علائق دنیویہ سے منقطع ہو کر قرب الٰہی کے لئے جہاد کرے راہ حق کی صعوبتوں کو خوش دلی سے برداشت کرے۔ اللہ تعالیٰ کو میدان جنگ میں یاد رکھے اور اس سے مدد ونصرت کی طلب کرے اور تکبر وغرور اور رعونت جیسی عادات کے قریب تک نہ جائے۔ ریاکاری سے بھی اجتناب کرے کیونکہ جہاد اگر اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اور اس کی رضاجوئی کے لئے ہو تو یہی عبودیت کا سب سے عظیم مقام ہے۔ اگر جنگ، شہرت اور ناموری کے لئے اور طلب غنیمت کے لئے ہو تو پھر یہ کامیابی وفلاح کا ذریعہ نہیں۔

امام فخرالدین رازی ؒ نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

مقاتلة الكافر ان كانت لاجل طاعة الله كان ذالک جاريا مجرى بذل الروح فی طلب مرضاة الله تعالى وهذا هو اعظم مقامات العبودية اما ان كانت المقاتلة لا لله بل لاجل الثناء فی الدنيا و طلب المال لم يكن ذلک وسيلة الى الفلاح والنجاح (تفسیر کبیر، ۱۵:۱۷۱)

کافر سے جنگ اگر اطاعت الٰہی کے لئے ہو تو یہ روح کو رضائے الٰہی کے طلب کرنے میں خرچ کرنے کے قائم مقام ہے اور یہ عبودیت کا سب سے عظیم مقام ہے .... اور اگر یہ جنگ اللہ کے لئے نہیں بلکہ دنیوی شہرت اور مال کو طلب کرنے کے لئے ہو تو یہ فلاح اور کامیابی کا ذریعہ نہیں ہے۔

۶۔ میدان جنگ میں پیٹھ نہ دکھانا

شہادت کی سعادت سے فرار منافقت کی علامت ہے۔ میدان جنگ میں پیٹھ دکھانا، مردان حق کا شیوہ نہیں، تاریخ شہادت دے گی کہ اسلام کی راہ میں نقد جاں لے کر نکلنے والے اللہ کے سپاہیوں نے میدان جنگ میں جب جام شہادت نوش کیا تو تلواروں، نیزوں اور تیروں کے زخم اکثران کے جسم کے سامنے والے حصوں پر پائے گئے، پشت پر زخم نہیں کھائے کیونکہ انہوں نے میدان جنگ میں پیٹھ دکھا کر راہ فرار اختیار کرنے پر موت کو ترجیح دی اور دشمن کے سامنے استقامت کا کوہ گراں بن کر کھڑے ہو گئے، فرمایا۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ (الانفال، ۸:۱۶)

اور جو شخص اس دن ان سے پیٹھ پھیر لے گا، سوائے اس کے جو جنگ (ہی) کے لئے داؤ چل رہا ہو یا اپنے (ہی) کسی لشکر سے (تعاون کے لئے) ملنا چاہتا ہو، تو واقعتاوہ اللہ کے غضب کے ساتھ پلٹا اور

اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ (بہت ہی) برا ٹھکانہ ہے۔

۷۔ غیر متحاربین کے ساتھ بھلائی

اسلام کسی بھی مرحلے پر جنگ برائے جنگ کے آمرانہ اور جارحانہ فلسفے کو نہیں اپناتا جو لوگ امن پسند ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے مدمقابل نہیں آتے اور نہ فتنہ پروروں اور شرانگیزی پھیلانے والوں کے ساتھی بنتے ہیں ان کے لئے عفو و درگزر سے کام لینے کی ہدایت ہے' ان کے ساتھ نیکی' بھلائی اور عدل و انصاف کے معاملہ کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (الممتحنۃ، ۶۰: ۸-۹)

(اے مسلمانو!) اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہ لڑے اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا (بلکہ) اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اللہ تو تم کو ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو دین کے بارے میں تم سے لڑے ہوں اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور تمہارے نکالے جانے میں دوسروں کے شریک ہوئے ہوں (یعنی دوسروں کی مدد کی ہو تاکہ وہ تم کو نکالیں) اور جو ان

سے دوستی کرے (ان پر شفقت اور ان کی اعانت کرے) تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

۸۔ سستی، کاہلی یا تساہل کی اجازت نہیں

جہاد کے ضمن میں کسی قسم کی سستی، کاہلی یا تساہل کا مظاہرہ کرنا جہاد سے انکار کے مترادف ہے ایسے لوگوں کو شدید عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی منع کر دیا گیا، مومن کا ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے۔ وہ کسی قسم کے روحانی اور فکری تضادات کا شکار نہیں ہوتا، اللہ، رسول ﷺ اور آخرت پر اس کا ایمان پختہ ہوتا ہے وہ نہ دو عملی کا شکار ہوتا ہے اور نہ دوغلے پن کا، قرآن مجید میں جہاد سے جی چرانے والوں کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (التوبۃ ۹:۳۹،۴۰)

اگر تم (جہاد کے لئے) نہ نکلو گے تو وہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا، اور تمہاری جگہ (کسی) اور قوم کو لے آئے گا اور تم اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر بڑی قدرت رکھتا ہے۔ اگر تم ان کی (یعنی رسول اللہ ﷺ کی غلبہ اسلام کی جدوجہد میں) مدد نہ کرو گے (تو کیا ہوا) سو بے شک اللہ نے ان کو (اس وقت بھی) مدد سے نوازا تھا جب کافروں نے انہیں (وطن مکہ سے) نکال دیا تھا۔

۹۔ مہاجرین کی معاونت کا حکم

اللہ کی راہ میں گھربار چھوڑ کر ہجرت کی راہ اختیار کرنا ایثار و قربانی کی ایک

لازوال مثال ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں سے قدم قدم پر قربانیاں طلب کرتا ہے۔ انہیں آزمائش کے مراحل سے گزارتا ہے تاکہ وہ سچے مومن بن جائیں اور ان کی شاخ ایمان ہمیشہ سرسبز و شاداب اور ثمربار رہے دوران جنگ کچھ لوگ بے گھر بھی ہو جاتے ہیں انہیں ہجرت کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ مہاجرین کی اعانت' ان کی دلجوئی اور دل کھول کر ان کی مدد کرنے اور انہیں پناہ دینے پر اجر کا وعدہ کیا گیا ہے' یہ عمل ایمان کی پہچان ہے اور اس سے رزق میں فراوانی اور کشادگی آتی ہے اور محبت واخوت کے جذبے کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○ (الانفال' ۸:۷۴)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (راہ خدا میں گھربار اور وطن قربان کر دینے والوں کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی وہی لوگ حقیقت میں سچے مسلمان ہیں' ان ہی کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

۱۰۔ سفارتی آداب کا لحاظ

زمانہ جاہلیت میں بھی سفیروں کے قتل کو معیوب سمجھا جاتا تھا بلکہ بزدلی اور کم ہمتی سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ سفارتی آداب کا لحاظ نہ رکھنے کے باعث قبائل یا ممالک کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو سکتی ہے اور یہ کشیدگی ذرا سی اشتعال انگیزی سے جنگ کی صورت اختیار کر سکتی ہے' سفیروں اور قاصدوں کے بارے میں حضور نبی رحمت ﷺ کس قدر محتاط تھے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے سفیروں اور قاصدوں کو قتل نہ کرنے کا حکم دے رکھا تھا جب مسیلمہ کذاب کے قاصد عبادہ بن حارث نے آکر گستاخانہ گفتگو کی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ۔

اما واللہ لولا ان الرسل لاتقتل لضربت اعناقکما (سنن ابی داؤد، ۲: ۴۴)

خدا کی قسم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کی گردن اڑا دیتا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ پھیلی (انہیں سفیر بنا کر بھیجا گیا تھا) کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے تو حضور ﷺ نے خون عثمان کا بدلہ لینے کے لئے چودہ سو صحابہؓ سے بیعت لی حتی کہ حضور ﷺ نے وصال کے وقت بھی سفیروں اور قاصدوں کے احترام کے متعلق خصوصی وصیت فرمائی۔

۱۱۔ منافقین سے سلوک

منافقوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ (التوبہ، ۹: ۷۳)

اے نبی معظم آپ کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں۔

ایک نکتہ کی وضاحت

نبی کریم ﷺ نے منافقین کے ساتھ کوئی باقاعدہ جنگ نہیں کی البتہ ان کی ریشہ دوانیوں، سازشوں اور شر انگیزیوں کا بروقت نوٹس لے کر ان کا سدباب ضرور کرتے رہے، چونکہ منافق بظاہر شعائر اسلام کا احترام کرتے ہر جگہ ساتھ ساتھ ہوتے البتہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیتے، جہاد کے لئے میدان جنگ میں اترنے سے گھبراتے اور کتراتے، دشمن ان منافقین اور ان کا ظاہری عمل دیکھ کر انہیں مسلمان ہی تصور کرتا۔ اب اگر مسلمان ان کے ساتھ باقاعدہ جنگ کرتے تو اس سے بدگمانیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ خانہ جنگی کی راہ ہموار ہوتی اور منافقین کے قتل کو منافقین سیاسی قتل سے تعبیر کر کے حاشیہ آرائی کرتے، آقائے دوجہاں ﷺ نے بعض صحابہؓ کے اصرار کے باوجود منافقوں کے خلاف کھلی کارروائی سے اجتناب کیا تاہم انہیں تخریب کاری کی کھلی چھٹی بھی نہ دی گئی، منافقین پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی، ایک موقعہ پر حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی کو قتل کرنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

دعہ لا یتحدث الناس ان محمدا یقتل اصحابہ (صحیح البخاری، ۲:۷۲۹)

اس کو چھوڑ دو کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

جب تک ظاہری طور پر جرم ظاہر نہ ہو منافقین کے خلاف بھی کارروائی (قتل) کی اجازت نہیں کیونکہ اسلامی احکام کا اطلاق ظاہر پر ہوتا ہے باطنی کیفیات اور نیتوں پر نہیں اور نیتوں کا حال اللہ بہتر جانتا ہے۔

۱۲۔ جنگ سے قبل اسلام کی دعوت

اسلام بے وجہ قتال کا ہرگز حامی نہیں، خونریزی سے بچنے کا حکم ہے، جنگ سے پہلے مخالفین کو اسلام کی دعوت دینے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ کفار امن اور سلامتی کا راستہ اختیار کر لیں اور اسلام کے پیروکاروں کے ساتھ مل کر فتنہ و فساد اور ظلم و استحصال کے خاتمے کے لئے جہاد میں عملاً شریک ہو جائیں، دائرہ اسلام میں آنے کے ساتھ ہی انہیں مسلمانوں کے سارے حقوق حاصل ہو جائیں گے اگر وہ اسلام پسند کرنا قبول نہ کریں تو کم از کم مسلمانوں کے راستے کی دیوار بھی نہ بنیں، اور دنیا میں قیام امن کی راہ میں رکاوٹ بھی نہ ڈالیں، انہیں اسلامی ریاست میں مکمل قومی آزادی حاصل ہو گی۔ حکومت ان کے جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ دار ہو گی البتہ سیاسی اقتدار مسلمانوں کے پاس ہو گا۔ اگر دشمن یہ شرائط قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو اور دامن رحمت میں آنے سے انکار کر دے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ جنگ پر ادھار کھائے بیٹھا ہے اور کسی طور پر بھی فتنہ و فساد سے باز آنے کے لئے تیار نہیں اس صورت میں قتال جائز ہو گا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جنگ سے قبل یا بعد میں کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا گیا، غزوہ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو زبردستی مسلمان بنا لینے کے بارے میں پوچھا تو حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ "ان پر اسلام نہ

سے پیش کرو' اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام قبول کرلے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔" (بخاری' کتاب المغازی: باب غزوہ خیبر)

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے اسلام کسی قوم یا علاقہ کے خلاف یا دنیاوی اغراض ومقاصد کے لئے جنگ کی اجازت نہیں دیتا بلکہ دنیا سے فتنہ و فساد کے خاتمے اور قیام امن کے لئے ظلم کے خلاف جنگ کی اجازت ہے بلکہ شرانگیزیوں کی روک تھام کے لئے جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (البقرہ؛ ۲: ۱۹۳)

اور ان سے جنگ کرتے رہو حتی کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے۔

۱۳۔ دشمن سے مقابلہ کی آرزو نہ کی جائے

اسلام اپنے پیروکاروں سے توقع رکھتا ہے کہ وہ ممکن حد تک تصادم سے گریز کریں لیکن جب جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو پوری جرات اور بہادری کے ساتھ باطل' استحصالی قوتوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں دشمن سے مڈبھیڑ کی آرزو کرنے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ اسلام میں جنگ انا کی تسکین کے لئے جائز نہیں'

یا ایها الناس لا تتمنوا لقاء العدو و سلوا اللّٰه العافیة فاذا لقیتموهم فاصبروا (سنن ابی داؤد' ۱: ۳۹۰)

اے لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کی تمنا نہ کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگا کرو' جب تمہارا دشمن سے تصادم ہو جائے تو صبر و استقلال سے کام لو۔

صحیح بخاری کتاب الجہاد میں ہے کہ تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا۔

لا تمنوا لقاء العدوا فاذا لقیتوهم فاصبروا (الصحیح لمسلم' ۲: ۸۴)

دشمن سے مقابلہ کی تمنا مت کیا کرو اور جب ان سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہا کرو۔

۱۴۔ دوران جنگ ہر وقت مسلح رہنا

جنگ کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ مجاہدین ہر وقت چوکنا رہیں' دشمن کسی وقت بھی شب خون مار سکتا ہے یا سامنے سے حملہ آور ہو سکتا ہے اس لئے ایک لمحہ کی غفلت بھی میدان جنگ کا نقشہ تبدیل کر سکتی ہے اور جیتی ہوئی بازی ہاتھ سے نکل سکتی ہے' مجاہدین کو دوران جنگ ہر وقت مسلح رہنا چاہئے اور اپنے ہتھیاروں سمیت مقابلے کے لئے تیار رہنا چاہئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ (النساء' ۴: ۱۰۲)

کافر چاہتے ہیں کہ کہیں تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر دفعتاً حملہ کر دیں اور تم پر کچھ مضائقہ نہیں کہ اگر تمہیں بارش کی وجہ سے کوئی تکلیف ہو یا بیمار ہو تو اپنے ہتھیار (اتار کر) رکھ دو اور اپنے سامان کی حفاظت کے لئے رہو۔

بارش اور بیماری کے عذر کے علاوہ ہتھیاروں کو اپنے جسم سے الگ کرنے کی اجازت نہیں' اپنے اسلحے اور ساز و سامان کی حفاظت بھی ضروری ہے۔

۱۵۔ میدان جنگ میں ادائیگی نماز

عین لڑائی کے وقت بھی قوم حجاز کو نماز ترک کرنے کی اجازت نہیں' حالات کے مطابق مجاہدین کے گروہ باری باری باجماعت نماز ادا کر سکتے ہیں' دور جدید میں ٹینکوں اور جہازوں میں باجماعت نماز ادا کی جا سکتی ہے البتہ ڈرائیور یا پائلٹ اشاروں سے نماز ادا کریں گے' تلواروں کی چھاؤں میں سجدہ شبیری ادا کرنے کی رسم آج بھی زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گی' قرآن میں ارشاد باری ہے۔

وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَ لْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ

(النساء، ۴: ۱۰۲)

اور (اے محبوب) جب آپ ان (مجاہدوں) میں (تشریف فرما) ہوں تو ان کے لئے نماز (کی جماعت) قائم کریں۔ پس ان میں سے ایک جماعت کو (پہلے) آپ کے ساتھ (اقتدا) کھڑا ہونا چاہئے اور انہیں اپنا ہتھیار بھی لئے رہنا چاہئے پھر وہ سجدہ کر چکیں تو (ہٹ کر) تم لوگوں کے پیچھے ہو جائیں اور (اب) دوسری جماعت کو جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آ جانا چاہئے پھر وہ آپ کے ساتھ (مقتدی بن کر) نماز پڑھیں اور چاہئے کہ وہ (بھی بدستور) اپنے اسباب حفاظت اور اپنے ہتھیار لئے رہیں۔

یعنی مجاہدین قصر نماز باری باری ایک ایک رکعت فرداً فرداً ادا کریں۔

۱۶۔ شان و شوکت کا مظاہرہ

کبر و نخوت اور غرور و تکبر کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، البتہ وقار و تمکنت کا اظہار مومن کے لئے ضروری ہے۔ دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے فخریہ اشعار اور رجزیہ کلام کی اجازت ہے کیونکہ یہ احساس برتری اور تکبر نفس کے لئے نہیں اسلام کی سربلندی کے لئے ہوتا ہے، عظمت و شوکت اور جاہ و جلال کے اظہار کی ایک صورت پرچم کو سربلند رکھنا بھی ہے، سینہ تان کر اور سر اٹھا کر چلنا بھی مردان حق کا شیوہ رہا ہے۔ اس سے نمود و نمائش کا نہیں اللہ کے دین کی سربلندی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے، فتح مکہ کے دن حضور رحمت عالم ﷺ نے ابو سفیان کو ایک بلند مقام پر کھڑا کیا

اور عساکر اسلام کو حکم دیا کہ اپنا پرچم بلندیوں پر اڑاتے ہوئے پورے وقار اور تمکنت کے ساتھ سامنے سے گزریں تاکہ دشمن کے دل میں لشکر اسلام کی دھاک بیٹھ جائے۔ عہد جدید میں اسلحہ کی نمائش اور افواج کی پریڈ اسلامی احکامات کے عین مطابق ہے اس سے نہ صرف مجاہدین اور عام شہریوں کا مورال (Moral) بلند ہوتا ہے بلکہ دشمن بھی عسکری قوت سے مرعوب ہوتا ہے اور جارحانہ اقدامات سے باز رہتا ہے۔ غزوہ احد کے موقعہ پر جب حضور ﷺ نے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو تلوار عنایت فرمائی تو وہ متکبرانہ چال چلتے ہوئے میدان میں اترے آقا ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا عام حالات میں یہ چال ناپسندیدہ ہے لیکن اس وقت اللہ کو محبوب ہے۔

۱۷۔ نعرہ بازی اور رجزیہ اشعار

میدان جنگ میں فضا تکبیر و رسالت کے نعروں سے معمور ہو تو مجاہدین کے چہرے تمتمانے لگتے ہیں ان کی آنکھوں سے شعلے برسنے لگتے ہیں۔ دشمن پر ٹوٹ پڑنے کا جذبہ انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔ خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے اور سینوں میں آرزوئے شہادت مچلنے لگتی ہے۔ دشمن پر ایک ہیبت سی طاری ہو جاتی ہے اور فرشتے بھی قطار اندر قطار اتر آتے ہیں' حضور ﷺ خیبر میں اترے تو فرمایا "اللہ اکبر خربت خیبر" رجزیہ اشعار پڑھنا بھی سنت نبوی ہے' ان اشعار سے ایک نیا ولولہ اور نیا حوصلہ دلوں میں پیدا ہوتا ہے' قدم خود بخود میدان جنگ کی طرف اٹھنے لگتے ہیں اور تلوار برق رعد بن کر دشمن پر گرتی ہے۔

غزوہ احزاب کے موقعہ پر خندق کھودتے وقت نبی اکرم ﷺ درج ذیل رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

اللھم لو لا انت ماھتدینا
و لا تصدقنا و لا صلینا
فانزلن سکینۃ علینا

و ثبت الاقدام ان لا قینا
ان الاولی قد بغوا علینا
اذا ارادوا فتنۃ ابینا

"اے اللہ اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم راہ ہدایت نہ پاتے نہ صدقہ خیرات کر سکتے اور نہ نماز پڑھتے پس ہم پر سکینت نازل فرما اور جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا یہ لوگ ہم پر بغیر کسی وجہ کے زیادتی کرتے ہیں جب وہ ہمیں بہکاتے ہیں تو ہم ان کی بات نہیں مانتے۔"

(صحیح البخاری، ۱:۳۹۸)

آخری شعر آپ نے دو تین بار دہرایا۔ روایات میں ہے کہ یہ رجزیہ اشعار آپ ترنم کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

غزوہ حنین کے موقعہ پر حضور ﷺ کی زبان اقدس پر یہ شعر رواں تھا۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب میں سچا نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

۱۸۔ فتح کے بعد سجدہ شکر کی ادائیگی

اسلام میں جشن فتح حصول نعمت کے بعد اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سجدہ شکر بجالانے کا نام ہے۔ کیونکہ حقیقی معنوں میں فتح مادی وسائل یا محض انسانی کاوشوں کی مرہون منت نہیں ہوتی بلکہ یہ فتح توفیق خداوندی ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ فتح، نصرت خداوندی کے باعث ہی ممکن ہوتی ہے اس لئے جشن فتح اس کے حضور جھک جانے کا نام ہے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ اسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا ○ (النصر: ۱۱۰:۳) تو آپ (تشکراً) اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح فرمائیں اور (تواضعاً) اس سے استغفار کریں بے شک وہ بڑا ہی توبہ

قبول فرمانے والا (اور مزید رحمت کے
ساتھ رجوع فرمانے والا ہے۔)

۱۹۔ عبادت گاہوں کا احترام

مسلمانوں نے تحمل' بردباری' احسان' رواداری اور عدل وانصاف کی اعلیٰ اور روشن مثالیں قائم کر کے دنیا کی جہاں بانی کو ایک نئے انداز سے روشناس کرایا' افراد معاشرہ کو قوت برداشت کا ہنر سکھایا' یہ اعزاز صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے پیروکاروں کو مفتوحہ علاقوں میں واقع عبادت گاہوں کا پورا پورا احترام کرنے کی تلقین کی' ان کی بے حرمتی اور انہدام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسلام مذہبی آزادی اور سماجی روایات کا علم بردار ہے' غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی حفاظت بھی اسلامی عساکر کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جیش اسامہؓ کو جو ہدایات دیں ان میں ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ دشمن کے معبدوں کا احترام کیا جائے۔

۲۰۔ اسیران جنگ کے ساتھ حسن سلوک

آج کی نام نہاد مہذب دنیا میں جنگی قیدیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا ہے وہ بین الاقوامی قانون کے تمام تر تحفظات اور اقوام متحدہ کی ان گنت قرار دادوں کے باوجود اتنا شرمناک اور غیر انسانی ہے کہ محض اس کے ذکر سے ہی شرافت کے ماتھے پر پسینہ آ جاتا ہے اور امن عالم کے ٹھیکیداروں کی گردن ندامت سے جھک جاتی ہے' پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں اسیران جنگ کے ساتھ کیا ہوا؟ نازیوں کے مظالم کی داستان طویل بھی ہے اور عبرتناک بھی' خود حضور ﷺ کے زمانے میں بھی جنگی قیدیوں کے ساتھ ذلت آمیز اور رسوا کن طرز عمل اختیار کیا جاتا تھا۔ جنگی قیدیوں کے حقوق کا سرے سے کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ انہیں غلام بنا کر بھیڑ بکریوں کی طرح ان کی تجارت کی جاتی' حضور ﷺ نے جنگی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی

حتی کہ انہیں وہی کھلایا' پلایا اور پہنایا جاتا جو مسلمان خود کھاتے' پیتے یا پہنتے۔ قرآن مجید نے بنیادی اصول دیا کہ

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (محمد: ۴۷: ۴)

پھر اس کے بعد (تم کو اختیار ہے کہ) یا تو احسان رکھ کر (رہا کر دو) یا معاوضہ لے کر چھوڑ دو

۲۱۔ عدل و انصاف کے اصولوں کی پاسداری

مفتوح اقوام اور محکوم عوام کو آج بھی کسی عدل و انصاف کا مستحق نہیں سمجھا جاتا' فتح کے نشے میں بدمست قابض اقوام ان کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتیں اور ان کے وسائل پر قبضہ جما کر ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتی ہیں۔ لیکن اسلام مفتوحہ علاقوں کے عوام کے حقوق کو تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ اپنے پیروکاروں کو تلقین کرتا ہے کہ مفتوح اقوام کے معاملے میں بھی عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ (المائدہ ۵:۸)

اور کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو' عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیز گاری سے نزدیک تر ہے اور اللہ سے ڈرا کرو۔

باب۔ ۳

جہاد بالنفس

جہاد بالنفس' اپنی نفسانی خواہشات سے مسلسل اور صبر آزما جنگ کا نام ہے' یہ جہاد ہے انسان کی خود ساختہ کبریائی کے خلاف' یہ جہاد ہے سجدوں کی ریاکاری اور زہد و تقویٰ کی منافقت کے خلاف' یہ جہاد ہے ذہنوں میں بننے والی جنسی آلودگی اور فکری پراگندگی کے خلاف' یہ جہاد ہے خون میں دوڑنے والی انانیت' نمرودیت' فرعونیت اور قارونیت کے خلاف' یہ جہاد ہے طمع' حرص' لالچ' بغض' غیبت' حسد' چغلی' کینہ' دجل' فریب' جھوٹ اور ظاہری نمود و نمائش کے خلاف' یہ جہاد ہے اندر کے انسان کی سرکشی اور بغاوت کے خلاف' یہ جہاد ہے شیطانی حملوں اور وسوسوں کے خلاف اور یہ جہاد ہے خوشامد پسندی اور خوشامد پرستی کے خلاف۔ یہ جہادی عمل ایک مسلسل عمل ہے جو انسان کی پوری زندگی کے ایک ایک لمحے پر محیط ہے۔ یہ ایک مشکل اور دشوار مرحلہ ہے کیونکہ شیطان براہ راست انسان پر حملہ آور ہوتا ہے' اگر نفس کو مطیع کر لیا جائے اور اس کا تزکیہ ہو جائے تو انسان شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہ سکتا ہے' جہاد بالمال اور جہاد بالسیف کی نوبت تو کبھی کبھی آتی ہے' لیکن جہاد بالنفس ہمیشہ جاری رہتا ہے' تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے لئے ریاضت اور مجاہدہ کے کٹھن مراحل کو عبور کرنا پڑتا ہے یہ کوئی آسان کام نہیں' اللہ تبارک و تعالیٰ نے جملہ اسلامی تعلیمات کو تزکیہ کا عنوان بنا کر اس ایک عمل پر بھی کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○ (الشمس' ۹۱:۹۔۱۰)

بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کر لیا (اور اس میں نیکی کی نشوونما کی) اور بے شک وہ شخص نامراد ہو گیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کر لیا (اور نیکی کو دبایا)۔

قرآن مجید فرقان حمید میں جابجا خواہشات نفس کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔

نفس پر جبر کئے بغیر اخلاص کے ساتھ عبادت کرنا ممکن نہیں۔

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ○ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی (النازعات ۷۹: ۴۰، ۴۱)

اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور (اپنے) نفس کو (بری) خواہشات و شہوات سے باز رکھا تو بے شک جنت ہی (اس کا) ٹھکانہ ہو گا۔

ایک مرتبہ حضور رحمت عالم ﷺ نے جہاد کے سفر سے واپسی پر ارشاد فرمایا۔

رجعنا من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر (الدر المنثور: ۸۹)

ہم جہاد اصغر (جہاد بالسیف) سے جہاد اکبر (جہاد بالنفس) کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

ارشاد نبوی سے معلوم ہوا کہ نفس کے خلاف جہاد سب سے بڑا جہاد ہے کیونکہ یہ مسلسل جاری رہتا ہے اور انسان کو اس سے قدم قدم پر واسطہ پڑتا ہے جبکہ کفار کے ساتھ مقابلہ تو کبھی کبھی پیش آتا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا۔

نوروا قلوبکم بالجوع و جاھدوا انفسکم بالجوع و العطش

اپنے دلوں کو بھوک کے ذریعے منور کرو اور اپنے نفس کے ساتھ بھوک اور پیاس سے مجاہدہ کرو۔

بزرگان دین کا معمول یہ رہا ہے کہ نفسانی خواہشات اور دنیاوی لذتوں سے اپنا دامن بچاتے رہے اور زیادہ وقت خلق خدا کی بھلائی میں صرف کرتے رہے' ان کی راتیں مصلے پر بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریزیوں میں گزرتیں' ریاضت اور مجاہدہ ان کا اوڑھنا بچھونا رہتا' محبت الٰہی اور خشیت الٰہی کے سمندر میں غوطہ زن رہتے۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب سے ایمان لایا ہوں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تاکہ عبادت کا مزہ لے سکوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں اپنے نفس کے ساتھ بکریوں کے ریوڑ

پر ایک چرواہے کی طرح ہوں جو انہیں ایک طرف اکٹھا کرتا ہے تو وہ دوسری طرف نکل جاتی ہیں۔"

نیک لوگوں نے معدہ کو اس ہنڈیا کی طرح ٹھہرایا ہے جو ہر وقت ابلتی رہتی ہے اور اس کے بخارات دل تک پہنچتے رہتے ہیں' ان بخارات کی کثرت سے دل آلودہ ہو جاتا ہے' بسیار خوری فکر و نظر کو کھا جاتی ہے اور ذہانت' فطانت اور متانت کے لئے خطرے کا باعث بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

افضل الجهاد ان تجاهد نفسک افضل جہاد یہ ہے کہ تو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔
(کنز العمال' ۴:۴۳۱)

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ کو نفس کے فتنوں سے خبردار کرنے کی غرض سے پوچھا "تم پہلوان کسے کہتے ہو" عرض کیا یا رسول اللہ! جسے لوگ پچھاڑ نہ سکیں' حضور ﷺ نے یہ جواب سن کر فرمایا۔

لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملک نفسه عندالغضب پہلوان وہ نہیں جو کشتی میں غالب آجائے پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے اوپر اختیار رکھے۔
(الصحیح لمسلم' ۲:۳۲۶)

خواہشات نفس کا غلبہ ہو جائے تو عملی طور پر انسان کا نفس ہی اس کا معبود بن جاتا ہے۔ انسانی ذہن اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے کہ نفس اس کا معبود ہے لیکن عملاً وہ ہوس زر اور ہوس اقتدار کی آگ میں جلتے ہوئے اس نفس کی پرستش کر رہا ہوتا ہے اس حقیقت کو قرآن حکیم میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنے نفس کو ہی اپنا معبود بنا لیا ہے۔
(الفرقان' ۲۵:۴۳)

مجاہدہ نفس کے بارے میں کتب احادیث میں مذکور ہے۔

۱۔ المجاهد من جاهد نفسه مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتا ہے۔
(جامع الترمذی' ۱:۱۹۵)

۲۔ افضل الجهاد ان تجاهد نفسک وهواک فی ذات اللّٰہ
(کنز العمال، ۴:۴۳۱)

افضل جہاد یہ ہے کہ تو اپنے نفس اور خواہش کے خلاف اللہ کے بارے میں جہاد کرے۔

۳۔ مرحبا بکم قدمتم من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر قیل و ما الجهاد الاکبر قال جهاد النفس
(احیاء علوم الدین، ۳:۵۷)

تمہیں خوش آمدید کہ تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے ہو عرض کیا گیا کہ جہاد اکبر کیا ہے فرمایا نفس کے خلاف جہاد۔

اللہ رب العزت کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے کہ جو اس کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں، دن رات ریاضت میں بسر کرتے ہیں تو انہیں راہ ہدایت نصیب ہوتی ہے، صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق خداوندی عطا ہوتی ہے۔

وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت، ۲۹:۶۹)

اور جو لوگ ہماری راہ میں (ہمارے لئے) کوشش کرتے ہیں ہم ضرور اپنا راستہ انہیں دکھاتے ہیں۔

حقیقتِ نفس

صوفیاء کے نزدیک منبع شر کو نفس کہتے ہیں اس ضمن میں علمأ کے بہت سے اقوال بھی مذکور ہیں جن کے مطابق نفس روح اور جسم کے معنوں پر دلالت کرتا ہے بعض کا خیال ہے کہ نفس دل کے اندر پنہاں ایک حقیقت کا نام ہے، بہرحال کار رذیلہ کا تعلق اسی نفس سے ہے لہٰذا نفس کا تزکیہ ہی کامیابی و کامرانی کا راستہ ہے، آیات قرانی اس حقیقت پر گواہ ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، ایک اور آیت میں ارشاد خداوندی ہے۔

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ (البقرہ، ۲:۸۷)

جب بھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس وہ (احکام) لایا جنہیں تمہارے نفس پسند

نہیں کرتے ہیں تو تم وہیں اکڑ گئے۔

معلوم ہوا کہ نفس ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے لہٰذا ہر سطح پر اس کے خلاف مسلسل جہاد کی ضرورت ہے حضور رحمت عالم ﷺ نے بار بار اہل ایمان کو اپنے ان اقوال مبارکہ کی طرف متوجہ کر کے عمل کی تلقین فرمائی ہے۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اذا اراد اللہ بعبد خیرا بصرہ بعیب نفسہ

(المغنی عن حمل الاسفار، ۴:۳۳۰)

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے اپنے عیوب پر مطلع کر دیتا ہے۔

احادیث میں کثرت کے ساتھ نفس اور اس کی خرابیوں کا ذکر ملتا ہے چونکہ شیطان بھی نفس ہی کے ذریعہ حملہ آور ہوتا ہے اس لئے نفس کے خلاف جہاد کی اہمیت کچھ اور بھی بڑھ جاتی ہے، نفس کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ ہر وقت برائی پر آمادہ رہتا ہے تا آنکہ سخت جہاد سے اس کی تہذیب نہ کر دی جائے۔ حقیقت نفس کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے یہ الفاظ کہلوا کر واضح کر دیا کہ۔

وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ

(یوسف، ۱۲: ۵۳)

اور میں اپنے نفس کی برات (کا دعویٰ) نہیں کرتا بے شک نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے۔

نفس کو مارا تو نہیں جا سکتا البتہ اس کے خلاف جہاد کر کے اسے بڑی حد تک کمزور کیا جا سکتا ہے پھر نفس کی صفات بدلنے لگتی ہیں اور نفس، نفس امارہ نہیں رہتا بلکہ اس کا سفر نفس مطمئنہ کی جانب شروع ہو جاتا ہے۔

نفس کی آفات میں یہ بھی ہے کہ انسان کی طبیعت اپنی تعریف، اچھے ذکر اور ستائش کو پسند کرتی ہے، ان رذائل کے حصول کے لئے بعض اوقات انسان منافقت اور ریاکاری سے بھی کام لیتا ہے، شرک خفی کا تعلق بھی انہی آفات نفس سے ہے، حضرت

ابو حفص رضؓ کا قول ہے کہ نفس پورے کا پورا تاریکی ہے' اس کا چراغ اخلاص ہے۔ اخلاص کا چراغ جلانے کے لئے مجاہدہ اور ریاضت کی مشقت ضروری ہے۔ اس مجاہدے اور ریاضت کی اصل' خواہشات نفسانی کی مخالفت ہے۔

باب۔ ۴

جہاد بالعلم

جس وقت پوری دنیا گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی کفر اور جہالت نے شرف انسانی کی بحالی کے ہر خواب کو شرمندہ تعبیر ہونے سے پہلے ہی بکھیر دیا تھا اسلام نے اس وقت علم کی فضیلت کا پرچم بلند کر کے جہالت کے اندھیروں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا' روشنی کے جس سفر کا آغاز غار حرا میں لفظ **اقراء** کے نزول سے ہوا تھا وہ سفر آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اسلام نے جہالت کے اندھیروں کے خلاف جنگ کر کے ذہن انسانی میں شعور و آگہی کے چراغ جلانے کا جو منصب سنبھالا تھا وہ اولاد آدم کے وقار کی بازیابی کا نقطۂ آغاز ثابت ہوا اور آج تہذیب انسانی کی ساری روشنیاں' علوم جدیدہ کی ساری توانائیاں اور تحقیق و جستجو کی ساری رعنائیاں دہلیز پیغمبر اسلام ﷺ پر سرنگوں کھڑی صدیوں سے اسی در کی دریوزہ گری میں مصروف ہیں ان کا کشکول آرزو حکمت و دانش کے موتیوں سے لبریز ہے اور انسان تسخیر کائنات کے سفر میں بہت دور تک نکل گیا ہے کہ افق دیدہ و دل پر اسلام کی حقانیت کا گلرنگ سویرا طلوع ہو رہا ہے۔

جہاد بالعلم جہاد کی ایک قسم ہے یہ وہ جہاد ہے جس میں قرآن و سنت پر مبنی احکامات کے علم کی چار دانگ عالم میں تشہیر کی جاتی ہے اور تعلیمات اسلامی سے دنیا کے ہر خطے میں چراغاں کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ کفر اور جہالت کے اندھیرے ختم ہوں اور پوری دنیا رشد و ہدایت کے نور سے مستنیر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے علم کا نور پھیلانے کے لئے آخری الہامی کتاب قرآن مجید کے ذریعہ منکرین حق کے ساتھ جہاد کا حکم دیا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ (الفرقان' ۲۵:۵۲)

پس آپ ان منکروں کا کہنا نہ مانئے بلکہ قرآن ہی سے ان کا مقابلہ پوری قوت کے ساتھ کیجئے۔

تمام ائمہ تفسیر نے "بہ" کے ضمیر سے کتاب مقدس قرآن مجید ہی مراد لیا ہے' قرآن مجید تمام علوم کا منبع ہے اور ایسی روشنی فراہم کرتا ہے جو ذہن انسانی کو علم و

عرفان اور شعور و آگہی کے سرمدی اجالوں سے منور کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ (المائدہ ۵:۱۶)

اور انہیں اپنے حکم سے (کفر و جہالت کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان و ہدایت کی) روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔

قرآن اور صاحب قرآن ﷺ سراپا رشد و ہدایت ہیں، علم کے نور کا منبع و سرچشمہ ہیں، حکمت و دانش کا اجالا ہیں' یہ اجالے شرک و جہالت کے اندھیروں کو دور کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے دلائل اور حضور ختمی مرتبت ﷺ کے ارشادات و فرامین قلب و نظر میں طمانیت پیدا کرتے ہیں جبکہ تلوار کی دلیل سے ایسا ممکن نہیں، علم ذہنوں کی تسخیر کرتا ہے اور قلوب کو اللہ کی یاد میں دھڑکنے کا ہنر سکھاتا ہے۔

علم کی اہمیت

علم انسان کو تمیز خیر و شر کا ہنر عطا کرتا ہے' ذہن کے مقفل دروازوں کو کھولتا ہے یہ ایک ایسی نعمت عظمیٰ ہے جس کے بغیر کوئی قوم ترقی کی شاہراہ پر گامزن نہیں ہو سکتی' جس کے بغیر جدید ٹیکنالوجی کا حصول ممکن نہیں' علم ایک ایسا مینارہ نور ہے جس کی روشنی میں نسل انسانی تہذیبی' تمدنی' ثقافتی' معاشی اور سیاسی طور پر آگے بڑھتی ہے اور ستاروں پر کمندیں ڈالتی ہے۔ سوچوں میں کشادگی اور وسعت پیدا ہوتی ہے، حقوق و فرائض کا صحیح ادراک حاصل ہوتا ہے' قوت برداشت کو جلا ملتی ہے' روح کو بالیدگی عطا ہوتی ہے' ذہن انسانی سے جہالت کے جالے کٹ جاتے ہیں اور فصیل دیدہ و دل پر چراغاں سا ہونے لگتا ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ (المجادلہ ۵۸:۱۱)

اللہ تم میں سے ایمان والوں کو' اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے درجے بلند کرے گا اور اللہ کو خبر ہے جو

کچھ تم کرتے ہو۔

مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فہم و ادراک عطا کر دیتا ہے' ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔

قال حمید بن عبد الرحمن سمعت معاویۃ خطیبا یقول سمعت النبی ﷺ یقول من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین (صحیح بخاری' ۱:۱۶)

حضرت حمید بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دوران خطبہ یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ جس کا بھلا چاہتا ہے اسے دین کا فہم بخش دیتا ہے۔

جسے اللہ علم کا نور عطا کرتا ہے اسے بھی چاہئے کہ یہ نور دوسروں تک بھی پہنچائے تاکہ وہ بھی علم کے اس نور سے اپنے قلب و باطن کو منور کر سکیں' اشاعت علم کا یہ عمل حضور نبی اکرم ﷺ کے نزدیک ایک قابل رشک عمل ہے۔

قال النبی ﷺ لا حسد الا فی اثنتین رجل اتاہ اللہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق و رجل اتاہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بھا و یعلمھا (صحیح البخاری' ۱:۱۷)

حضور ﷺ نے فرمایا رشک بجز دو آدمیوں کے کسی پر جائز نہیں' ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا ہے اور وہ اسے راہ حق میں خرچ کرتا ہے دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت عطا فرمائی تو اس کے مطابق فیصلے کرتا اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔

غار حرا سے جنگ بدر کے قیدیوں تک اور پھر جناب رسالت مآب ﷺ کی پوری حیات مبارکہ سے لے کر آج تک علم کی فضیلت کے چراغ روشن ہیں اس کے باوجود بہت سے لوگ آج بھی جہالت کے اندھیروں میں زندگی بسر کر رہے ہیں یا علم کے فروغ میں بخل سے کام لیتے ہیں اور مال وزر کی طرح علم کے خزانے پر بھی سانپ بن کر

بیٹھے ہیں حالانکہ علم ایک ایسی دولت ہے جسے جتنا خرچ کیا جائے اس میں اتنا ہی اضافہ ہوتا ہے اور پھر یہ عمل انسان کی موت کے بعد بھی کام آتا ہے نہ صرف اس کا اعمال نامہ روشنیوں سے تحریر ہوتا ہے بلکہ خلق خدا بھی اس کے جلائے ہوئے چراغوں کی روشنی میں حکمت ودانش کے موتی اپنے دامن میں سمیٹنے کا کار خیر سرانجام دیتی ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ان مما یلحق المئومن من عمله و حسناته بعد موته علما علمه و نشره

(سنن ابن ماجہ: ۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا مومن کے مرنے کے بعد اس کی نیکیوں اور اعمال میں سے جو چیزیں اسے نفع دیتی ہیں ان میں سے ایک وہ علم ہے جس کی وہ تعلیم دے اور پھیلائے۔

علم کی فضیلت

قانون فطرت بھی یہی ہے اور تاریخ انسانی بھی اس پر عادل و شاہد ہے کہ جاننے والا اور نہ جاننے والا دونوں برابر نہیں ہو سکتے' علم' علم والے کے سر پر دستار فضیلت سجاتا ہے' اسے مسند ارشاد پر جلوہ گر کرتا ہے اور معاشرے میں اسے مقام ارفع نصیب ہوتا ہے اور تاریخ میں اس کے کارنامے آب زر سے تحریر ہوتے ہیں جبکہ جہالت انسان سے تقویٰ اور دانائی کے اوصاف بھی چھین لیتی ہے' نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کا شعور بھی بے علم کو حاصل نہیں ہوتا' جہالت انسان کو بے توقیری کے جہنم میں دھکیل دیتی ہے' اجتماعی اور انفرادی سطح پر بھی ان مثبت اور منفی قدروں کا ردعمل ہوتا ہے جب تک مسلمانوں نے علم' اور دانائی کو معیار فضیلت قرار دیئے رکھا اور فروغ علم کی مشعل سے اکناف عالم میں چراغاں کرتے رہے اس وقت تک دنیا کی امامت بھی ان کے ہاتھ میں رہی اور اقوام عالم بغداد اور قرطبہ کے علمی سرچشموں سے اپنی علمی پیاس بجھاتی رہیں جونہی فروغ علم کی یہ مشعل ان کے ہاتھ سے گر گئی یا اغیار نے چھین لی تو ہر

شعبہ زندگی میں زوال وانحطاط ان کا مقدر بن گیا اور آج حالت یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں شرح خواندگی شرمناک حد تک گر چکی ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کا حصول اسلامیان عالم کے لئے ناممکن بنایا جا رہا ہے مسلمان خود بھی اپنی علمی میراث کے احیاء کے لئے کسی انقلابی جدوجہد کے قائل نظر نہیں آتے' فکری بانجھ پن جہالت کی کوکھ سے جنم لیتا ہے' اور علمی کم مائیگی سے شکست خوردگی کا احساس پرورش پاتا ہے۔آج امت مسلمہ ہر محاذ پر پسپائی اختیار کر رہی ہے اس لئے کہ علم اور قلم کی طاقت اس کی دسترس سے باہر ہو چکی ہے ہمارا پورا ثقافتی ورثہ علم اور قلم کے سرچشموں سے پھوٹنے والی توانائیوں کا امانت دار ہے۔ اسی لئے حدیث کی تمام کتب میں علم کی فضیلت پر بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند ایک کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ **من جاء ہ الموت و ھو یطلب العلم لیحی بہ الاسلام' فبینہ و بین النبیین درجہ واحد ۃ فی الجنۃ** (سنن دارمی' ۱:۸۵)

جس شخص کو موت آئی اس حال میں کہ وہ ایسا علم حاصل کرتا رہا جس کے ذریعہ وہ اسلام کو زندہ کرے تو اس کے درمیان اور انبیاء کے درمیان جنت میں ایک درجے کا فرق ہو گا۔

۲۔ **من طلب العلم کان کفارہ لما مضی** (سنن دارمی' ۱:۱۱۴)

جو شخص علم طلب کرتا ہے (یہ علم) پہلے کئے گئے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔

۳۔ **قال النبی ﷺ ان الملائکۃ لتضع اجنحتھا رضا لطالب العلم و ان طالب العلم یستغفرلہ من فی السماء و الارض حتی الحیتان فی الماء** (سنن دارمی' ۱:۸۳)

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ طالب علم کی رضامندی کے لئے اپنے پروں کو پھیلا دیتے ہیں اور طالب علم کے لئے مغفرت مانگتے ہیں جو (مخلوق) آسمان وزمین میں ہیں حتی کہ مچھلیاں پانی میں۔

۴۔ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ (سنن ابن ماجہ:۲۰) علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

دعوت و تبلیغ کا کام جہاد بالعلم کا پہلا نصب العین ہے' اس ہدف کو حاصل کرنا حصول تعلیم کے بغیر ممکن ہی نہیں' دلائل و براہین سے اسلام کی صداقت اور حقانیت کا علمی اور فکری سطح پر ابلاغ اور معترضین کے اعتراضات کا جواب جہاد بالعلم کا دوسرا بڑا ہدف ہے۔ جہاد بالعلم کی اہمیت مسلّم ہے۔ یہ جہاد بھی ایک مسلسل عمل کا نام ہے جسے اسلامی معاشرے میں عوامی اور حکومتی سطح پر ہر وقت جاری و ساری رہنا چاہئے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) اور عظمت رفتہ کی بازیابی کے لئے انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر مسلمان عورت اور مرد کا فرض ہے کہ وہ جہاد بالعلم میں بھی بھرپور حصہ لے اور اپنی تخلیقی اور تحقیقی توانائیاں جہاد بالعلم کے لئے وقف کر دے' جہاد بالعلم کے ذریعہ ہی ہم اپنی نسلوں کو محفوظ اور باوقار مستقبل کی ضمانت دے سکتے ہیں۔ علم اور قلم کی طاقت کو نظرانداز کرنے کی سزا ہم جرم ضعیفی کی صورت میں بھگت رہے ہیں' ہماری مجرمانہ غفلت اس سے بھی بھیانک نتائج کا باعث بن سکتی ہے۔ ارباب فکر و نظر کے لئے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے' معجزوں کی منتظر رہنے والی قومیں بے عملی کا شکار ہو جاتی ہیں ان کی سوچوں کو زنگ لگ جاتا ہے اور شعور و آگہی کے دروازوں پر قفل پڑ جاتے ہیں امت مسلمہ کو اس اندوہناک صورت حال سے بچانے کے لئے ارباب علم و دانش کو آگے آنا چاہئے اور اسلامیان عالم کو علمی انحطاط اور فکری زوال سے بچانے کے لئے فروغ علم کو ایک تحریک بنا دینا چاہئے اور جہاد بالعلم کے قرآنی فلسفے کو اپنی روداد روز و شب کا عنوان بنا کر نئے آفاق کی تسخیر کے لئے ذہن جدید کو تحقیق و جستجو کی شاہراہ پر گامزن کرنے اور اس سفر کی رفتار کو تیز تر کرنے کے عملی اقدامات کرنا چاہیں کہ اس عمل میں ملت اسلامیہ کی ثقافتی بقاء کا راز مضمر ہے۔

کامیابی کا راز------دعوت و تبلیغ

علم اگر کتابوں میں بند ہو تو اس کی عملی افادیت ختم ہو جاتی ہے' جب تک عملی زندگی میں علم و ہنر کی روشنی سے اکتساب شعور کر کے تبلیغی و دعوتی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سعی نہ کی جائے۔ قرآن حکیم میں تصور تبلیغ کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے فرمایا گیا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

(آل عمران' ۳: ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جو سب لوگوں کی رہنمائی کے لئے ظاہر کی گئی ہے' تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○

(آل عمران' ۳: ۱۰۴)

اور تم میں سے ایسے لوگوں کی جماعت ضرور ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور وہی لوگ بامراد ہیں۔

معلوم ہوا کہ کامیابی و کامرانی سے ہمکنار وہی لوگ ہوں گے جو دعوت و تبلیغ کا کام پوری تندہی اور اخلاص سے سرانجام دیں گے' جو افراد معاشرہ کو نیکی کی دعوت دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور برائی کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف تادیبی کارروائی کریں گے کیونکہ محض وعظ و تبلیغ سے برائی کو نہیں روکا جا سکتا اس لئے قوت نافذہ کے حصول کو کسی مرحلے پر بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر امت دعوت و تبلیغ کے کام سے صرف نظر کرے گی تو ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن جائے گی اور یہ تباہی و بربادی کے عمیق گڑھوں میں جا گرے گی' ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

اذا عظمت امتی الدنیا نزعت عنها هیبة الاسلام و اذا ترکت الامر بالمعروف و النهی عن المنکر حرمت برکة الوحی

(الدر المنثور، ۲: ۳۰۳)

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت دنیا کی عظمت میں کھو جائے گی تو اسلام کی ہیبت ان کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی۔

گویا جو شخص دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتا ہے اللہ کے خاص لطف و کرم کا سزاوار ٹھہرتا ہے حدیث مذکورہ کی روشنی میں زوال امت کے اسباب تلاش کریں تو انکشاف ہوتا ہے کہ ہم اجتماعی طور پر بھی خرافات دنیا میں کھو چکے ہیں، ہم نے اپنے مفادات کے بت تراش رکھے ہیں اور دن رات ان کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں عریانی، فحاشی، بے غیرتی، بے حمیتی اور بے حیائی نے ہماری تخلیقی اور تحقیقی صلاحیتوں کو مفلوج کر رکھا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اسلام کی ہیبت ہمارے قلوب سے کب کی رخصت ہو چکی ہے ہم فقط نام کے مسلمان رہ گئے ہیں ہم لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتے ہیں نہ انہیں برائی سے روکتے ہیں۔ برائی کو پنپنے کے لاکھ مواقع میسر ہیں۔ قدم قدم پر عشرت کدے تعمیر ہیں، عورت کو نیلام گھر کی زینت بنا دیا گیا ہے، رقص و سرود کی مخلوط محافل نے ہماری نوجوان نسل کے اعصاب کو شل کر رکھا ہے، دعوت و تبلیغ کے محاذ پر ایک خوفناک سناٹا طاری ہے۔ حالانکہ خطبہ حجۃ الوداع میں تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا تھا۔

لیبلغ الشاهد الغائب فانه رب مبلغ یبلغه اوعی له من سامع

(سنن ابن ماجہ: ۲۱۰)

جو یہاں حاضر ہیں وہ یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو حاضر نہیں ہیں کیونکہ بعض اوقات پہنچانے والے کی نسبت سننے والا زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے۔

تبلیغ' جہاد بالعلم کی ایک اعلیٰ قسم ہے لیکن جب تک تبلیغ کا طریق کار اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ مبلغین اسلام کے اذہان پر نقش نہ ہو جائے اس وقت تک مطلوبہ نتائج کی ضمانت نہیں دی جاسکتی اس ضمن میں تین امور کا پیش نظر رہنا بہت ضروری ہے۔

۱۔ افراط و تفریط سے اجتناب ۲۔ تفرقہ وانتشار سے اجتناب ۳۔ سخت کلامی سے اجتناب

دعوت و تبلیغ کے میدان میں مذکورہ ترتیب کو ملحوظ رکھنا سنت انبیاء (علیہم السلام) ہے' مبلغین اسلام کے لئے لازمی ہے کہ سب سے پہلے توحید الٰہی پر زور دیں' سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت کا احساس دلائیں پھر دیگر احکامات سے لوگوں کو آگاہ کریں' ذہنوں پر ایک دم بوجھ نہ ڈالا جائے نہ انہیں فلسفیانہ موشگافیوں اور علمی مباحث میں الجھایا جائے' کیونکہ جو شخص پہلی بات ہی ماننے کے لئے تیار نہیں اسے مزید الجھانا حکمت ودانش کے خلاف ہے' دین میں آسانی رکھی جائے اسے مشکل بنا کر پیش نہ کیا جائے۔ قلوب اور اذہان کو زبردستی مسخر نہیں کیا جا سکتا اللہ تعالیٰ نے ایک نفسیاتی اصول سمجھا دیا ہے۔

۱۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرہ' ۲:۲۸۶) — اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

۲۔ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (البقرہ' ۲: ۲۵۶) — دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔

۳۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرہ' ۲:۱۸۵) — اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا۔

کامیابی کی کلید---- صبر و استقامت

جہالت' کفر اور گمراہی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے جہاد بالعلم کے لئے میدان عمل میں اترنے والوں کو قدم قدم پر ابتلاء و آزمائش کے مراحل سے گزرنا پڑا ہے' اندھیرے آسانی سے روشنی کو راستہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے' علم کے سفر میں اہل علم کو ہر قدم پر مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے' بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد بالعلم کا راستہ نسبتاً آسان راستہ ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں' علم کا علَم بلند کرنے والوں پر کفر کے فتوے لگے' مخالفتوں اور سازشوں کے لامتناہی سلسلے ان کی راہ میں حائل ہوئے' اہل علم کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں' حرف حق کی "پاداش" میں انہیں کوڑوں کی سزا دی گئی' امام احمد بن حنبلؒ کو قید بامشقت کے مرحلے سے گزرنا پڑا۔ امام غزالیؒ پر کفر کا فتوی لگایا گیا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو قید خانے میں ڈال دیا گیا' خود انبیاء کرام کی زندگیاں مصائب و آلام میں گزریں انہیں طرح طرح کی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی' مقام صبر و رضا پر فائز یہ عہد ساز لوگ آج بھی ہمارے لئے مینارہ نور ہیں۔ صبر و استقامت کامیابی کی کلید ہے اور اہل دانش نے ہر عہد میں اس کلید کا امانت دار ہونے کا عملاً ثبوت فراہم کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ○ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ

(السجدہ:۴۱:۳۰-۳۱)

بے شک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (اس پر) قائم رہے تو ان پر فرشتے اترتے ہیں (جو ان سے کہتے ہیں) کہ تم مت ڈرو اور غم نہ کھاؤ اور تم جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور ہم تمہارے دنیا میں رفیق ہیں اور آخرت میں (بھی رفیق رہیں گے)

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا○ (المزمل ۷۳:۱۰)

اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کئے جایئے اور وضع داری کے ساتھ ان سے الگ رہئے۔

نتیجہ بحث

مختصراً یہ کہ صبر و استقامت کے بغیر جہاد بالعلم ممکن نہیں اور اس میدان میں دعا ہی وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعہ غیب سے کامیابی اور کامرانی کے دروازے کھلتے ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن ۴۰:۶۰) مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

علم بغیر عمل کے کوئی وقعت نہیں رکھتا ایک عالم اگر باعمل بھی ہو تو اس کی تحریک فروغ علم نتیجہ خیز ثابت ہو گی ورنہ قول و فعل کا تضاد خود اسے بھی لے ڈوبے گا اور وہ اپنے ساتھ دوسروں کی عاقبت بھی خراب کرے گا۔ قرآن تنبیہہ کر رہا ہے کہ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ○ (الصف ۶۱:۲) اے ایمان والو! (ایسی باتیں زبان سے) کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

جہاد بالعلم کے لئے مطالعہ قرآن اصل الاصول ہے' اسلامی زندگی اسی سے سرسبز و شاداب ہوتی ہے افسوس کہ اس سرچشمۂ ہدایت اور اس منبع علم کو ہم نے طاق نسیاں میں رکھ دیا ہے' امت مسلمہ کو مسلسل خسارے سے بچنے کے لئے ایک دفعہ پھر قرآن کی سرمدی تعلیمات کی طرف لوٹنا ہو گا' رجوع الی القرآن کا پرچم بلند کئے بغیر امت مسلمہ ذلت و رسوائی کے اندھیروں سے باہر نہیں نکل سکتی اور تمسک بالقرآن کے بغیر ان گنت مادی وسائل اور افرادی قوت کے ہوتے ہوئے بھی ہم اپنا کھویا ہوا مقام حاصل نہیں کر سکتے اور نہ خوشحالی اور آسودہ زندگی ہی گزارنے کے قابل ہو سکتے ہیں' عظمت و شوکت کا تعلق وسائل کی کثرت سے نہیں بلکہ یاد الٰہی کے ساتھ مشروط ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ (طٰہٰ ۲۰:۱۲۴)

اور جس نے میری یاد سے روگردانی کی تو اس پر معیشت تنگ کر دی جائے گی اور اس کو ہم قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

قرآن کے فلسفۂ انقلاب پر عمل پیرا ہونے سے ہی امت مسلمہ کو اس کا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کے ساتھ حبی تعلق پھر سے استوار کیا جائے' قرآن علم و معرفت کا سمندر ہے اس کی غواصی کو اپنے قول و فعل کی بنیاد بنایا جائے' ہر لحظہ قرآن سے روشنی کے لئے دامن آرزو پھیلایا جائے' قرآن اپنے قاری کو اپنے دامن رحمت میں لے لیتا ہے اور پھر قرآن بولتا ہے' قاری کے ذہن پر نئے مفاہیم آشکار ہوتے ہیں' زندگی انقلاب آشنا ہوتی ہے۔ جہاد بالعلم میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے خود کو قرآن کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ قرآن کا دامن مضبوطی سے تھامے بغیر شاہراہ حیات پر عزت و وقار کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اجتماعی خودکشی سے بچنے کے لئے قرآن کو اپنے سینوں کے ساتھ اپنی روحوں میں بھی اتارنا ہو گا۔ فرمایا گیا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ (النحل ۱۶:۱۲۵)

(اے رسول معظم) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔

باب۔۵

جہاد بالعمل

عقیدہ و نظریہ تو ایک دعویٰ ہوتا ہے جسے بغیر دلیل کے تسلیم نہیں کیا جاتا' اس دعوی کی دلیل عمل ہے' عمل جس کے بغیر علم بھی اپنی طاقت کھو دیتا ہے اور اپنی اہمیت بھی گنوا بیٹھتا ہے۔ اقسام جہاد میں جہاد بالعمل بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے' عمل سے زندگی جنم بھی بنتی ہے اور جنت بھی' عمل لحد میں بھی چراغ بن کر چمکتا ہے اور کارگہ حیات میں بھی انسان کے لئے روشنیوں اور آسودگیوں کا باعث بنتا ہے' بے عمل آدمی عمر بھر اعتبار اور اعتماد کی دولت سے محروم رہتا ہے لہٰذا اسلامی معاشرت' اسلامی تہذیب و تمدن میں عمل اور مسلسل عمل پر زور دیا گیا ہے' عمل کے بغیر زندگی جمود کا شکار ہو جاتی ہے اور سکوت نام ہے موت کا۔ وہ قومیں جو اس مرض کا شکار ہو جائیں اور بے عملی جن کے خون میں سرایت کر جائے جیتے جی مرجاتی ہیں' عالمی برادری میں ان کا کوئی کردار باقی نہیں رہ جاتا۔

ہم تارک قرآن ہو کر دنیا میں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں' اگر قرآن کی سرمدی تعلیمات پر ہم نے عمل کیا ہوتا تو آج پھر ہم دنیا کی امامت کے منصب جلیلہ پر فائز ہوتے' قرآن و حدیث میں احکامات اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ ان پر عمل کر کے دین و دنیا میں فلاح حاصل کی جائے' مؤذن پانچ وقت اذان دیتا ہے۔ ہم کاروبار زندگی ترک کر کے موذن کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں سربسجود ہو جاتے ہیں' یہ بھی جہاد بالعمل ہے۔ اسی طرح دیگر احکامات کی دن میں کئی بار آزمائش ہوتی ہے۔

حیات و ممات کا سلسلہ ایک عملی آزمائش

اللہ تبارک و تعالیٰ نے صحیفہ انقلاب قرآن حکیم میں زندگی اور موت کا جو سلسلہ قائم فرمایا ہے اس کے جاری کرنے کی حکمت بھی عمل کی آزمائش بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیَاۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

(الملک ۶۷:۲)

وہی ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون (تصور صالح کے ساتھ) اچھے کام کرتا ہے۔

درج ذیل سورہ مبارکہ میں بھی عمل کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

وَ الْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○

(العصر ۱۰۳:۱-۳)

زمانہ کی قسم (جس کی گردش انسانی حالات پر گواہ ہے) بے شک انسان خسارے میں ہے (کہ وہ عمر عزیز گنوا رہا ہے) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اور (معاشرے میں) ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور (تبلیغ حق کے نتیجے میں پیش آمدہ مصائب و آلام میں) باہم صبر کی تاکید کرتے رہے۔

ان آیات قرآنی سے معلوم ہوا کہ ہمارا سفر خسارے کی جانب جاری ہے' نقصان سے وہی لوگ بچ سکیں گے جو ایمان لانے کے بعد نیک عمل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو حق پر ثابت قدم رہنے اور راہ حق میں آنے والے مصائب و آلام پر صبر کرنے کی تلقین کرتے ہیں' یہ تلقین کرنا بھی ایک نیک عمل ہے' نقصان سے بچنے اور کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہونے کے لئے عمل کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں' جہاد بالعمل کا راستہ اختیار کرنا اتنا بھی آسان نہیں' انسان قدم قدم پر اپنے نفس کو اپنے مدمقابل پاتا ہے' شیطانی وسوسے قدم قدم پر پاؤں کی زنجیر بنتے ہیں' آدمی کی انا' اس کا سماجی مرتبہ اور اس کا علمی منصب دیوار بن کر راستے میں حائل ہو جاتے ہیں' پھر طبعی سستی اور غفلت نفس پر غالب آجاتی ہے' نفس انسان کو شر پر آمادہ کرتا ہے اور گناہ کی ترغیب دیتا

ہے ان شیطانی ہتھکنڈوں کے خلاف عزم اور استقامت کی چٹان بن جانا اور ان گناہوں سے اپنا دامن بچالینا ایک جہادی عمل ہے اور ایک مومن کی ساری زندگی اس جہادی عمل سے عبارت ہے۔

جہاد بالعمل کا ایک دوسرا پہلو (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر)

اسلامی معاشرے میں امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے بنیادی اصول کو بڑی اہمیت حاصل ہے یعنی لوگوں کو بھلائی کے کاموں کی طرف بلانا اور انہیں برائی سے روکنا' یہ فریضہ کسی خاص فرد یا جماعت کا ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ دعوت و تبلیغ انفرادی ہی نہیں ایک اجتماعی عمل بھی ہے۔ اسلامی معاشرے کا حسن اسی عمل کا مرہون منت ہے۔ ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ نیک اعمال اختیار کرے' بدی کے کاموں سے بچے' گناہوں سے اپنا دامن آلودہ نہ ہونے دے لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ وہ نہ صرف برائی سے خود اجتناب کرے بلکہ دوسروں کو بھی برائی سے روکے کہ معاشرے کا توازن اسی عمل سے قائم رہ سکتا ہے۔ اس سلسلے میں تین درجے بیان کئے گئے ہیں' قوت میسر ہو تو برائی کو ہاتھ سے روکے' بصورت دیگر زبان سے برائی کا ارتکاب کرنے والوں کو منع کرے' اور صرف برائی کو دل سے اچھا نہ سمجھنا اور برائی کے خلاف کوئی عملی کاروائی نہ کر سکنا کمزور ایمان کی نشانی ہے اس لئے خود عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ امربالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا اور دعوت و تبلیغ کے سلسلے کو آگے بڑھانا بھی بے حد ضروری ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱۔ وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○ (آل عمران' ۳:۱۰۴)

اور تم میں سے ایسے لوگوں کی جماعت ضرور ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور وہی لوگ بامراد ہیں۔

۲۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

(آل عمران ۳:۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

۳۔ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ○ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ○ (المائدۃ ۵:۷۸،۷۹)

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا تھا، انہیں داؤد اور عیسٰی ابن مریم کی زبان پر (سے) لعنت کی جا چکی (ہے) یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے (اور اس لعنت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ) وہ جو برا کام کرتے تھے ایک دوسرے کو اس سے منع نہیں کرتے تھے بے شک وہ کام برے تھے جنہیں انجام دیتے تھے۔

۴۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَئِيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ○ (الاعراف ۷:۱۶۵)

پھر جب وہ ان (سب) باتوں کو فراموش کر بیٹھے جن کی انہیں نصیحت کی گئی تھی (تو) ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برائی سے منع کرتے تھے (یعنی نہی عن المنکر) کا فریضہ ادا کرتے تھے اور ہم نے (بقیہ سب) لوگوں کو جو (عملاً یا سکوتاً) ظلم کرتے تھے نہایت برے عذاب میں پکڑ لیا۔

۵۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ

اور اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

(التوبہ ۹:۷۱)

مددگار ہیں' وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز قائم رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجا لاتے ہیں' ان ہی لوگوں پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا بے شک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

۶۔ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(التوبہ ۹:۱۱۲)

(یہ مومنین جنہوں نے اللہ سے اخروی سودا کر لیا ہے) توبہ کرنے والے' عبادت گزار' (اللہ کی) حمد وثناء کرنے والے' دنیوی لذتوں سے کنارہ کش روزہ دار' (خشوع وخضوع سے) رکوع کرنے والے' (قرب الٰہی کی خاطر) سجود کرنے والے' نیکی کا حکم کرنے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی (مقرر کردہ) حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اہل ایمان کو خوشخبری سنا دیجئے۔

دعوت و تبلیغ

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

اے (برگزیدہ) رسول جو کچھ آپ کی

مِنْ رَّبِّکَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ؕ (المائدہ ۵:۶۷)

طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (وہ سارا لوگوں کو) پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو آپ نے اس (رب) کا پیغام پہنچایا ہی نہیں۔

۲۔ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ ؕ (المائدہ ۵:۹۹)

رسول پر (احکام کاملاً) پہنچا دینے کے سوا (کوئی اور ذمہ داری) نہیں۔

۳۔ اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَ یَخْشَوْنَہٗ وَ لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ؕ (الاحزاب ۳۳:۳۹)

اور آپ سے قبل بھی ایسے اولوا العزم پیغمبر گزرے ہیں) جو اللہ کا حکم (بلا تامل) پہنچاتے تھے اور اس سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔

۴۔ وَ لَا یَصُدُّنَّکَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْکَ وَ ادْعُ اِلٰی رَبِّکَ وَ لَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ (القصص ۲۸:۸۷)

اور کہیں (کفار) آپ کو اللہ کی آیات (کی تبلیغ) سے روک نہ دیں جبکہ یہ آپ پر نازل ہو چکی ہیں اور آپ اپنے رب کی طرف لوگوں کو بلاتے رہئے اور مشرکین (کے معاونین) میں نہ ہو جائیے۔

۵۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ؕ (النحل ۱۶:۱۲۵)

(اے رسول معظم) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز میں کیجئے جو نہایت حسین ہو۔

۶۔ وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ

اور اس سے بہتر کس کا قول ہے جو (دوسروں کو) اللہ کی طرف بلائے اور

الْمُسْلِمِيْنَ ○ (حٰمٓ السجدۃ، ۴۱:۳۳)

(خود) عمل صالح کرے اور یہ کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں (اللہ کا بندہ ہوں مسلمان ہوں)

۷۔ فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ (الشوریٰ، ۴۲:۱۵)

پس (آپ ان کا خیال نہ فرمائیں) آپ ان کو اسی (دین حق) کی طرف بلاتے رہئے اور (حسب معمول) آپ اسی پر قائم رہئے جیسا کہ آپ کو حکم ملا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے۔

احادیث مبارکہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔

۱۔ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالک اضعف الایمان (صحیح لمسلم، ۱:۵۱)

میں نے خود رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سنا ہے کہ تم میں سے جو شخص خلاف شریعت کوئی کام کرے تو اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کرے اور اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کی تردید کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

۲۔ عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال ایاکم و الجلوس علی الطرقات فقالوا ما لنا بد انما ھو مجالسنا نتحدث فیہ قال فاذا ابیتم الا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا راستوں پر بیٹھنے سے بچو۔ صحابہؓ نے عرض کی ہمیں وہاں بجز بیٹھنے کے کوئی چارہ نہیں ہے

المجالس فاعطوا الطریق حقها قالوا وما حق الطریق قال غض البصر وکف الاذی و رد السلام و امر بالمعروف و نهی عن المنکر
(صحیح البخاری، ۱: ۳۳۳)

کیونکہ وہی ہمارے بات چیت کرنے کے ٹھکانے ہیں آپ نے فرمایا اگر وہاں بیٹھنا ہی ہے تو راستے کا حق ادا کرو۔ صحابہ نے دریافت کیا راستہ کا حق کیا ہے؟ فرمایا نگاہ نیچی رکھنا اور کسی کو ایذا نہ دینا اور سلام کا جواب دینا اور اچھی بات کا حکم کرنا اور بری بات سے منع کرنا۔

۳۔ عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال ان من اعظم الجهاد کلمة عدل عند سلطان جائر
(جامع الترمذی، ۲: ۴۰)

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا بڑا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

۴۔ عن جریر قال سمعت النبی ﷺ یقول ما من رجل یکون فی قوم یعمل فیهم بالمعاصی یقدرون علی ان یغیروا علیه فلا یغیروا الا اصابهم الله منه بعقاب قبل ان یموتوا (سنن ابی داؤد، ۲: ۲۴۸)

حضرت جریر کا بیان ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کوئی قوم ایسی نہیں کہ اس میں گناہ کئے جاتے ہوں اور وہ انہیں روکنے کی طاقت رکھتے ہوں لیکن نہ روکیں تو مرنے سے پہلے انہیں اللہ کا عذاب پہنچ جاتا ہے۔

۵۔ عن حذیفة بن الیمان عن النبی ﷺ قال و الذی نفسی بیده لتامرن بالمعروف و لتنهون عن المنکر او لیوشکن الله ان یبعث

حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے البتہ تم ضرور

علیکم عذابا منہ
(جامع الترمذی، ۲:۳۹)

نیکی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ قریب ہے (ایسا نہ کرنے پر) اللہ تمہارے اوپر اپنا عذاب نازل فرمائے اور تم دعا مانگو مگر وہ تمہارے لئے قبول نہ کی جائے۔

۶۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من دعا الی ھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لا ینقص ذالک من اجورھم شیاء و من دعا الی ضلالہ کان علیہ من الاثم مثل اثام من تبعہ لا ینقص ذالک من اثامھم شیئا (الصحیح لمسلم، ۲:۳۴۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی اسے اس ہدایت کی پیروی کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور ان کے اجروں میں کوئی کمی نہیں ہو گی اور جس شخص نے کسی گمراہی کی دعوت دی اسے اس گمراہی کی پیروی کرنے والوں کے برابر گناہ ہو گا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔

۷۔ عن ابی مسعود الانصاری قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال انی ابدع بی فاحملنی فقال ما عندی فقال رجل یا رسول اللہ انا ادلہ علی من یحملہ فقال رسول اللہ ﷺ من دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ
(الصحیح لمسلم، ۲:۱۳۷)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا، یا رسول اللہ میرا جانور ضائع ہو گیا آپ مجھے کسی جانور پر سوار کر دیجئے، آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے، ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں آپ کو ایسا شخص بتاتا ہوں جو اس کو سوار کر دے گا، آپ نے فرمایا جو شخص

کسی نیکی کا راستہ بتائے گا اس کو بھی نیکی کرنے والے کا اجر ملے گا۔

۸۔ عن سلیمان قال سمعت ابا وائل قال قیل لاسامۃ الا تکلم ھذا قال قد کلمتہ مادون ان افتح لک بابا اکون اول من یفتحہ و ما انا بالذی اقول لرجل بعد ان یکون امیرا علی رجلین انت خیر بعد ماسمعت رسول اللہ ﷺ یقول یجاء برجل فیطرح فی النار فیطحن فیھا کطحن الحمار برحاہ فیطیف بہ اھل النار فیقولون ای فلان الست کنت تامر بالمعروف و تنھی عن المنکر فیقول انی کنت اٰمر بالمعروف و لاافعلہ و انھی عن المنکر وافعلہ

(صحیح البخاری، ۲: ۱۰۵۲)

ابو وائل کا بیان ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ اس بارے میں کچھ فرماتے کیوں نہیں؟ ارشاد فرمایا کہ میں کہتا تو ضرور ہوں مگر اتنا بھی نہیں کہ پہلے فتنے کا دروازہ کھول دوں اور نہ میں وہ شخص ہوں کہ اگر کوئی دو آدمیوں کے اوپر امیر ہو تو کہہ دوں کہ اس سے تم بہتر ہو جب کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ایک شخص کو لایا جائے گا پھر اسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا تو وہ اس کے اندر اس طرح گھومے گا جیسے چکی چلانے والا گدھا گھومتا ہے پس جہنمی اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور پوچھیں گے کہ حضور والا! آپ تو ہمیں اچھی باتوں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے منع فرمایا کرتے تھے؟ وہ جواب دے گا کہ میں اچھی باتوں کا حکم تو دیتا لیکن خود کرتا نہ تھا اور برے کاموں سے روکتا لیکن خود باز نہیں رہتا تھا۔

عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ ان اول ما دخل النقص علی بنی اسرائیل کان الرجل یلقی الرجل فیقول یا ھذا اتق اللّٰہ و دع ما تصنع فانہ لا یحل لک ثم یلقاہ من الغد فلا یمنعہ ذالک ان یکون اکیلہ و شریبہ و قعیدہ فلما فعلوا ذالک ضرب اللہ قلوب بعضھم علی بعض ثم قال لعن الذین کفر من بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسی ابن مریم الی قولہ فاسقون ثم قال کلا واللہ لتامرن بالمعروف و لتنھون عن المنکر و لتاخذن علی ید ی الظالم و لتاطرنہ علی الحق اطرا و لتقصرنہ علی الحق قصرا

(سنن ابی داؤد، ۲: ۲۴۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پہلا نقص جو بنی اسرائیل میں آیا وہ یہ تھا کہ ایک آدمی جب دوسرے آدمی سے ملتا تو کہتا: اللہ سے ڈرو اور جو میرا کام تم کرتے ہو اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ تمہارے لئے جائز نہیں پھر جب اگلے روز ملتا تو اسے منع نہ کرتا کیونکہ کھانے پینے اور بیٹھنے میں اس کے ساتھ شریک ہو جاتا۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اچھے دلوں کو برے دلوں سے ملا دیا۔ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا تھا انہیں داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان پر (سے) لعنت کی جا چکی ہے۔

پھر فرمایا: پھر فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ تم ضرور اچھی باتوں کا حکم دو گے اور بری باتوں سے ضرور روکے گے اور ظالم کے دونوں ہاتھ پکڑ کر حق کی جانب ایسا جھکاؤ گے جو جھکانے کا حق ہے اور اسے حق پر ٹھہراؤ گے جو ٹھہرانے کا حق ہے۔

اسلام محض نظریہ یا تھیوری پر نہیں عمل پر یقین رکھتا ہے' زندگی جہد مسلسل

سے عبارت ہے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کے دو اہم اجزا ہیں' اسلامی زندگی' عقائد' اعمال' معاملات' احوال اور اخلاق کے بگاڑ کے خلاف ایک مسلسل جہاد کا نام ہے اور اسے جہاد بالعمل کہتے ہیں۔

باب-٦

جہاد بالمال

کسی بھی اعلیٰ وارفع مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ابتلاء و آزمائش کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے' مصائب و آلام جھیلنے پڑتے ہیں' صعوبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں' کٹھن اور دشوار گزار راستوں پر چل کر ہی منزل مراد تک پہنچا جا سکتا ہے' انقلاب کی راہ پھولوں کی سیج نہیں ہوتی' قدم قدم پر دامن کانٹوں سے الجھتا ہے' آندھیوں اور طوفانوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے' بعض اوقات جان و دل کے نذرانے پیش کرنے کی نوبت بھی آجاتی ہے' گھربار کو خیرباد کہہ کر غبار ہجرت کو سر کا سائباں بنانے کے مرحلے سے بھی گزرنا پڑتا ہے' جہاد بالعلم ہو یا جہاد بالسیف ہر دو قسم کے جہاد میں مالی قربانیوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ جہاد بالمال بھی جہاد کی ایک قسم ہے جس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے' سرد جنگ ہو یا گرم' مادی اسباب کے بغیر دشمن کی طرف ایک قدم بھی پیش رفت نہیں کی جا سکتی' جنگیں محض جذبات سے نہیں لڑی جاتیں' میدان جنگ میں اترنے سے پہلے اپنے ہتھیاروں کو صیقل بھی کرنا پڑتا ہے اور جہاد کے لئے اپنے گھوڑے تیار رکھنے کا بھی حکم ہے' یہ سب مالی امداد کے بغیر ممکن نہیں ہوتا' اپنے مال کو دین کی سربلندی کے لئے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو جہاد بالمال کہتے ہیں جس طرح دنیاوی امور کی انجام دہی مال و دولت کے بغیر ممکن نہیں بعینہ حق کی حمایت اور نصرت کے امور بھی انفاق فی سبیل اللہ پر موقوف ہیں۔ جہاد بالمال اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ دل سے سیم و زر کی محبت اور رغبت ختم نہ ہو جائے جب دین پر کڑا وقت آئے تو اہل وفا اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیتے ہیں اور اپنا گھربار اللہ کی راہ میں لٹا دیتے ہیں۔ اسلام کی تاریخ مال و دولت کی قربانی کی لازوال مثالوں سے بھی بھری پڑی ہے۔ صحابہؓ کے اندر ایثار و قربانی کا جذبہ اس حد تک راسخ ہو چکا تھا کہ وہ ہر وقت اللہ کی راہ میں اپنے مال سے جہاد کرنے پر بھی تیار رہتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال اپنے آقا ﷺ کے قدموں پر ڈھیر کر دیتے ہیں جس طرح پروانے کے لئے چراغ اور بلبل کے لئے پھول کافی ہوتا ہے۔ اس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے اللہ اور اس کے رسول

ﷺ کے بعد کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ صدیق رضی اللہ عنہ ایک علامت ہیں ایثار و قربانی کی جس سے تاریخ اسلام کے اوراق جگمگا رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔

ما نفعنی مال احد قط مانفعنی مال ابی بکر (جامع ترمذی، ۲:۲۰۷)

مجھے کبھی کسی شخص کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال نے نفع پہنچایا ہے۔

غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایثار دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو بھیجا کہ میرے محبوب ﷺ کی وساطت سے میرے اس بندے کو میرا سلام پہنچا دو اور پوچھ کر بتاؤ کہ سب کچھ مری راہ میں قربان کر کے کہیں ناراض تو نہیں۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہو گئی اور وجد کے عالم میں زبان صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ کلمات جاری ہوئے۔

انا عن ربی راض انا عن ربی راض انا عن ربی راض (تاریخ الخلفا، ۳۹)

میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا جذبہ جہاد بالمال بھی اپنی مثال آپ ہے۔ جب حضور ﷺ جیش عسرت کے متعلق انفاق کی ترغیب دے رہے تھے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان پیش کرنے کا اعلان فرمایا تو آقائے دوجہاں ﷺ نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا:

ما علی عثمان ما عمل بعد هذه (جامع ترمذی، ۲:۲۱۱)

اس کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے گا اسے کوئی حرج یا نقصان نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سخاوت اور فیاضی کا یہ عالم تھا کہ فرماتے ہیں۔

فیما وجبت علی زکوٰۃ مال فهل تجب الزکوٰۃ علی جواد

میرے اوپر کبھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی کیا سخی لوگوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہو سکتی ہے

مطلب یہ ہے کہ کبھی اتنا مال جمع ہی نہیں ہوا کہ اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا مرحلہ آتا۔ قرآن مجید میں بیان جہاد بالمال کے حوالے سے عموماً جہاد بالسیف کو جہاد بالمال سے مؤخر کیا گیا ہے۔

۱۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ (التوبہ ۹:۴۱)

تم ہلکے اور گراں بار (ہر حال میں) نکل کھڑے ہو اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت) آشنا ہو۔

۲۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ○ (الحجرات ۴۹:۱۵)

بے شک مومن (تو) وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر (دل و جان سے) ایمان لاتے ہیں۔ پھر (اس میں ذرا) شک نہیں کرتے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے (اور پکے مسلمان) ہیں۔

۳۔ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ط (النساء ۴:۹۵)

اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر مرتبہ میں فضیلت بخشی ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں جہاد بالمال کا ذکر مقدم ہے کیونکہ جہاد بالسیف کی کامیابی کے لئے دیگر عوامل کے علاوہ جہاد بالمال بھی ضروری ہوتا ہے۔ اللہ کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ اپنے خون میں ڈوب کر اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دینا یقیناً غیر معمولی بات ہے۔ جہاد بالمال کے ذکر مقدم سے جہاد بالسیف کی اہمیت خدانخواستہ کم نہیں ہوئی' بتانا یہ مقصود ہے کہ جہاد بالسیف کی تیاری کے لئے پہلے مالی قربانی کی ضرورت پڑتی ہے' ہتھیاروں' سواروں اور سامان رسد کا انتظام جنگ سے

پہلے کرنا ہوتا ہے اور کمک اور اشیاء ضروریہ کی فراہمی کو یقینی بنانا ہوتا ہے۔ اس فطری ترتیب کو برقرار رکھتے ہوئے قرآن پاک میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ یہ اسلوب اس نکتے کی وضاحت کرتا ہے کہ جہاد بالسیف کا آغاز جہاد بالمال سے کیا جائے۔ یہ اس لئے بھی کہ جہاد بالسیف کا موقع تو کبھی کبھی آتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے مواقع زندگی میں کثرت سے آتے ہیں۔

جہاد بالمال---اصل نیکی اور تقویٰ

کوئی شخص خواہ کتنا ہی عبادت گزار کیوں نہ ہو اس وقت تک متقی اور پرہیزگار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے۔ خرچ کرنے کی کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ کوئی حد مقرر نہیں۔ مال جمع کرنے والا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے والا بخیل ہے جس کے لئے دوزخ کی وعید ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۝ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ۝ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ (الھمزہ، ۱۰۴: ۲-۷)

(خرابی اور تباہی ہے اس شخص کے لئے) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے۔ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی دولت اسے ہمیشہ زندہ رکھے گی' ہرگز نہیں' یہ ضرور حُطَمَہ (یعنی چورا چورا کر دینے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گا اور آپ کیا سمجھتے ہیں کہ حُطَمَہ (چورا چورا کر دینے والی آگ) کیا ہے؟ (یہ) اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر (اپنی اذیت کے ساتھ) چڑھ جائے گی۔

معاشی ناانصافیاں طبقاتی کشمکش کو جنم دیتی ہیں اور اقتصادی ناہمواریوں سے

احساس محرومی پیدا ہوتا ہے۔ یہ احساس محرومی انسان کو سرکشی اور بغاوت پر اکساتا ہے۔ جب کسی معاشرے میں سرکشی اور بغاوت کالاوا پھوٹ پڑتا ہے تو خانہ جنگی کا آغاز ہوتا ہے۔ خانہ جنگی اپنے ساتھ تباہی اور بربادی لاتی ہے۔ ہر شئے نفرت کی آگ میں جل کر بھسم ہو جاتی ہے۔ اسلام نے اس اندوہناک صورتحال سے بچنے کے لئے اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرنے کی تلقین کی ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد اللہ کی مخلوق کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دینے سے بھی ہے۔ ہوس زر کے مارے ہوئے دولت کے پجاری جو سونے چاندی کے انباروں پر سانپ بن کر بیٹھے ہیں اور ان کی دولت رفاہی کاموں پر خرچ نہیں ہو رہی۔ معاشی تعطل کا سب سے بڑا سبب ہیں۔ ان کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (التوبہ ۹:۳۴)

اور جو لوگ سونے اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنادیں۔

متقی کہلانا اسے زیب دیتا ہے جو پریشان حال، مفلسوں ناداروں اور ضرورت مندوں کے دکھوں اور محرومیوں کا مداوا کرنے کے لئے اپنے مال کو خرچ کرتا ہے۔ جہاد بالمال اصل نیکی اور تقویٰ ہے۔ اس تصور کی وضاحت قرآن مجید میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مال خرچ کرنے پر "اتقی" کا لقب دے کر کی گئی ہے۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ○ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ○ (الیل ۹۲:۱۷-۱۸)

اور اس (آگ) سے اس بڑے پرہیزگار شخص کو بچا لیا جائے جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اپنے جان و مال کی) پاکیزگی حاصل کرے۔

جہاد بالمال، نسل انسانی کے لئے خیر و بھلائی

جہاد بالمال میں نسل انسانی کے لئے خیر و بھلائی ہے۔ اس عمل سے معاشرے

میں اعتدال و توازن پیدا ہوتا ہے۔ معیشت افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوتی اور دولت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز بھی نہیں ہونے پاتا۔ وسائل قدرت پر چند لوگوں کی اجارہ داری ختم ہو جاتی ہے اور معاشرے میں ایک ایسی فضا جنم لیتی ہے جس میں ہر فرد کو اپنی صلاحیتوں کے مطابق زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کے مواقع ملتے ہیں۔ اسلام جس رفاہی اور فلاحی معاشرے کا قیام عمل میں لانا چاہتا ہے وہ جہاد بالمال کو اپنائے بغیر ممکن نہیں۔

شفاخانے بنانا' سرائے تعمیر کرنا' کنواں کھدوانا' پل بنوانا' درخت لگوانا' عوامی تعلیمی ادارے کھولنا' تحقیق و جستجو کے لئے تجربہ گاہیں اور لائبریریاں قائم کرنا جہاد بالمال کے بغیر ممکن نہیں۔ رفاہ عامہ کے ہزاروں کام کر کے دکھی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھنے کے لئے معاشرے کے صاحب ثروت افراد پر لازم آتا ہے کہ وہ عوامی فلاح و بہبود کے لئے دل کھول کر خرچ کریں تاکہ جہاد بالمال کے تقاضے احسن طریقے سے پورے کئے جا سکیں اور ہم اجتماعی طور پر ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں جو ایک آزاد اور مہذب معاشرے کے فرد ہونے کی حیثیت سے ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ (التوبہ ۹:۴۱)

اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو' یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت) آشنا ہو۔

اس آیت کریمہ میں قرآن مجید مال و جان کے جہاد کو لفظ خیر سے تعبیر کرتا ہے یعنی جہاد میں خیر ہی خیر ہے' بھلائی ہی بھلائی ہے۔ یہ اشارہ ہے اس عالمی امن کی طرف جو اسلام بین الاقوامی سطح پر قائم کر کے زمین پر اللہ کی مخلوق کے لئے آسانیاں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ حضور رحمت عالم ﷺ نے مال جمع کرنے کو شر کہا ہے۔

عن ابی امامۃ قال قال رسول اللّٰہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ﷺ یا ابن ادم انک ان تبذل الفضل خیر لک و ان تمسکہ شر لک ولا تلام علی کفاف وابداء بمن تقول و الید العلیاء خیر من الید السفلی (الصحیح لمسلم، ۱: ۳۳۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن آدم! تیرے لئے ضرورت سے زائد چیز کا خرچ کرنا بہتر ہے اور اگر تو اس کو روکے رکھے تو برا ہے، اور ضرورت کے مطابق خرچ رکھنے پر تجھے ملامت نہیں ہے اور جو تیرے زیر پرورش ہیں ان سے ابتدا کر اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی ۝ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ۝ (الیل، ۹۲: ۸-۱۰)

اور جس نے بخل کیا اور (راہ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہا اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دین حق اور آخرت) کو جھٹلایا تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے۔ (تاکہ وہ تیزی سے مستحق عذاب ٹھہرے)

انفاق فی سبیل اللہ ------ جہاد بالمال کی عملی اساس

انفاق فی سبیل اللہ جہاد بالمال کی عملی اساس ہے کیونکہ اس کے بغیر تصور جہاد کی عملی صورت ممکن نہیں، دکھاوے اور ریاکاری کے لئے نہیں صرف اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہئے۔ اگر دکھاوا اور ریاکاری آگئی تو یہی عملی منافقت میں تبدیل ہو جائے گا۔ فرمایا گیا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا

رَزَقْنَاكُمْ ۔ (البقرہ '۲: ۲۵۴)

کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو کچھ تم خرچ کرو گے وہ ہمارا ہی عطا کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام عطاؤں کا مالک و مختار ہے۔ اپنے بندوں کو انعامات سے نوازتا ہے' اسی کے دیئے ہوئے میں سے اسی کی راہ میں خرچ کرنے کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔ جہاد بالمال میں اپنی بساط کے مطابق ہر مومن کو بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے۔ تصور انفاق کو قرآن مجید نے مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○ (الانفال '۸: ۶۰)

اور تم جو کچھ (بھی) اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم سے ناانصافی نہ کی جائے گی۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (التوبہ '۹: ۱۲۱)

اور نہ یہ کہ وہ (مجاہدین) تھوڑا خرچہ کرتے ہیں اور نہ بڑا اور نہ (ہی) کسی میدان کو (راہ خدا میں) طے کرتے ہیں مگر ان کے لئے (یہ سب صرف و سفر) لکھ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ انہیں (ہر اس عمل کی) بہتر جزا دے جو وہ کیا کرتے تھے۔

یہاں لفظ "صغیرہ" (معمولی چیز) قابل توجہ ہے جس سے اس بات کی تصریح کی جا رہی ہے کہ راہ خدا میں خرچ کیا جانے والا مال مقدار کے اعتبار سے خواہ کتنا تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اس کا اجر ضرور ملے گا۔ صرف زیادہ مال لٹانے پر ہی اجر نہیں ملتا وہ علیم و خبیر نیتوں کا حال جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس نے کتنا مال کس اخلاص سے اس کی راہ

میں خرچ کیا ہے۔ اللہ کی راہ میں اٹھائی جانے والی صعوبتوں اور مشقتوں پر بھی اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے چہ جائیکہ مالی ایثار' وہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو اللہ کے ہاں شرف قبولیت پاتا ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ' ۲: ۳)

اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

جس کے پاس مال اگرچہ تھوڑا ہے لیکن اس کے مقابلے میں اللہ کی راہ میں وہ زیادہ خرچ کرتا ہے تو اس شخص کی نسبت زیادہ اجر و ثواب کا مستحق ہے جس کے پاس مال اگرچہ زیادہ ہے لیکن مال کے مقابلے میں وہ کم خرچ کرتا ہے۔ ایک مالدار آدمی اگرچہ مقدار میں زیادہ مال خرچ کرے لیکن غریب کو تھوڑے انفاق پر بھی نسبتاً زیادہ اجر و ثواب کا مستحق گردانا جاتا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسَاكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○ (البقرہ' ۲: ۲۱۵)

آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں فرمادیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے) اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔

غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لے آئے جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب کچھ لا کر حاضر کر دیا اور مالی تنگی کا خیال تک نہ کیا۔ قرآن مجید میں جو لفظ "**قل العفو**" آیا ہے اس سے ایک حد بندی کا تصور ابھرتا ہے لیکن دونوں تصورات میں تضاد نہیں بلکہ عوام اور خواص کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ "**قل العفو**" کا تعلق عوام کے ساتھ ہے اور "**ما انفقتم من خیر**" کا حکم خواص کے لئے ہے۔ اگر بوجھ محسوس نہ ہو اور دل میں تنگی نہ آئے تو سب کچھ بھی لٹایا جا سکتا ہے

عمل انفاق------ہلاکت سے بچاؤ کا ذریعہ

ترک انفاق اور ہلاکت کے تعلق کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَاتُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (البقرہ ۲:۱۹۵)

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

جو لوگ دین کی سربلندی کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ان پر مال صرف کرنے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہئے۔ جہاد بالمال کی عدم موجودگی میں بین الاقوامی سطح پر بڑا خسارہ ہوتا ہے۔ ملکی سطح پر سامان جنگ تیار نہیں ہوتا جبکہ دشمن زیادہ طاقتور ہو جاتا ہے اور حملہ کر کے اپنے حریف کو تباہ کر دیتا ہے۔ امام رازیؒ اس تصور کو یوں واضح کرتے ہیں۔

لا ینفقوا فی مھمات الجھاد اموالھم فیستولی العدو علیھم و یھلکھم (تفسیر کبیر ۵:۱۴۹)

وہ اپنے اموال کو جہاد کی ضروریات میں خرچ نہیں کرتے لہٰذا دشمن ان پر حکمران بن جاتا ہے اور ان کو ہلاکت و تباہی کے کنارے لا کھڑا کرتا ہے۔

احادیث نبوی ﷺ سے بھی اس تصور کو تقویت ملتی ہے۔

۱۔عن ابی ذر قال انتھیت الی النبی ﷺ و ھو جالس فی ظل الکعبۃ فلما رانی قال ھم الاخسرون و رب الکعبۃ قال فجئت حتی جلست فلم اتقاران ان قمت فقلت یا رسول اللہ فداک ابی وامی من ھم قال ھم اکثرون اموالا الا من قال ھکذا و

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا در آں حالیکہ آپ کعبہ کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔ رب کعبہ کی قسم وہ لوگ خسارے والے ہیں۔ میں آکر بیٹھ گیا پھر بے چینی سے کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ

هکذا و هکذا من بین یدیه و من خلفه وعن یمینه وعن شماله و قلیل ماهم (الصحیح لمسلم، ۱:۳۲۰)

فدا ہوں وہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ بڑے بڑے سرمایہ دار ہیں ماسوا ان کے جو ادھر ادھر آگے پیچھے دائیں بائیں خرچ کرتے ہیں اور ایسے سرمایہ دار بہت کم ہیں۔

۱- عن علی قال قال رسول الله ﷺ بادرو بالصدقة فان البلاء لا یتخطاها (مشکوٰۃ المصابیح:۱۶۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ جلدی دو کیونکہ بلا صدقہ سے تجاوز نہیں کرتی۔

ظل المومن یوم القیامة صدقة (مسند امام احمد بن حنبل، ۵:۴۱۱)

قیامت کے دن مومن کا صدقہ اس کے لئے سایہ ہو گا۔

گویا مال و دولت کو مستحق لوگوں پر خرچ کرنے سے انسان دنیا میں بھی مصیبتوں اور بلاؤں سے محفوظ رہ سکتا ہے اور قیامت کے دن بھی یہ خرچ شدہ مال کام آئے گا۔

عمل انفاق ---- دوزخ سے نجات اور مغفرت کا باعث

بخل سے کام لینے کے کئی اسباب ہیں۔ ان میں سے مال کی محبت سرفہرست ہے۔ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ خرچ کرنے سے مال کم ہو جائے گا۔ محتاجی اور غربت تیرا مقدر بن جائے گا عیش و عشرت کیسے کرے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○ (البقرہ، ۲:۲۶۸)

شیطان تمہیں (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکنے کے لئے) تنگدستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل

کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ بہت ہی وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔

اللہ کے بندے شیطانی وسوسوں پر غالب آجاتے ہیں اور فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتے' غربت و افلاس کا ڈر رکھنا بھی نہیں چاہئے کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے اسی بات کا درس دیا ہے۔

عن ابی هريرة ان النبی ﷺ دخل علی بلال وعنده صبر ة من تمر فقال ما هذا يا بلال؟ قال شئی ادخر ته لغد فقال اما تخشی ان تری له غدا بخارا فی نار جهنم يوم القيامة انفق بلال و لا تخش من ذی العرش اقلالا

(مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی: ۱۶۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کے پاس کھجوروں کی ایک ٹوکری تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے بلال! یہ کیا ہے؟ عرض کیا آقا! میں نے کچھ کھجوریں کل کے لئے جمع کر رکھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو اس بات سے نہیں ڈرتا کہ کل قیامت کے دن ان کے لئے دوزخ کا بخار دیکھے۔ اے بلال! خرچ کر اور عرش والے سے فقر کا ڈر نہ رکھ۔

اللہ کے احسانات کی بارش جاری و ساری رہتی ہے تا آنکہ بندہ ایسے اعمال کا مرتکب ہو جو اس کی رحمت کو روک دیتے ہیں۔ اس کے برعکس کچھ اعمال رحمت الٰہی کو جوش میں لے آتے ہیں عمل انفاق بھی انہیں افعال میں سے ایک فعل ہے۔ آیات قرآنی اس حقیقت پر شاہد و عادل ہیں۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ (الیل' ۹۲: ۱۷۔۱۸)

اور اس (آگ) سے اس بڑے پرہیزگار شخص کو بچا لیا جائے گا جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اپنے جان و مال کی)

پاکیزگی حاصل کرے۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۝ یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۝ مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۝ هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطَانِیَهْ ۝ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ۝

(الحاقۃ ۶۹: ۲۵-۳۱)

اور جس کو اس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا کاش مجھے میرا نامہ اعمال دیا ہی نہ جاتا اور مجھے خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش! (میری) موت (ہمیشہ کے لئے) مجھے ختم کر گئی ہوتی۔ (افسوس) میرا مال بھی میرے کچھ کام نہ آیا۔ مجھ سے میری حکومت بھی جاتی رہی (حکم ہو گا) اس کو پکڑ لو پھر زنجیر میں جکڑ دو پھر دوزخ کی (آگ) میں اسے جھونک دو۔

اسلامی طرز حیات میں مال جمع کر کے رکھنے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے جبکہ انفاق پر زور دیا گیا تاکہ دولت صرف امیروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے بلکہ معاشی عدل اور سماجی انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے محتاجوں کی معاشی کفالت کا ایک پورا انظام دے دیا گیا۔ حدیث شریف میں ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه ﷺ یکون کنز احدکم یوم القیامة شجاعا اقرع ینفر منه صاحبه و یطلبه و یقول انا کنزک قال و اللّٰه لن یزال یطلبه حتی یبسط یده فیلقمها فاه

(صحیح البخاری، ۲: ۱۰۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز تمہارا جمع کیا ہوا مال کالا گنجا سانپ ہو گا۔ مالک اسے دیکھ کر بھاگے گا لیکن وہ اسے تلاش کر کے کہے گا میں تو تیرا مال ہوں۔ فرمایا: خدا کی قسم وہ اسے برابر تلاش کرتا رہے گا یہاں تک کہ وہ شخص ہاتھ پھیلائے گا تو وہ اسے اپنے منہ

میں ڈال لے گا۔

عمل انفاق ------ رضائے الٰہی کا ثمر

حیات انسانی کا اصل نصب العین اور مقصد وحید رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید میں ایک شاندار تمثیل کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔

وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○

(البقرہ ۲:۲۶۵)

اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اپنے آپ کو (ایمان و طاعت پر) مضبوط کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک ایسے باغ کی سی ہے جو اونچی سطح پر ہو اس پر زور دار بارش ہو تو وہ دوگنا پھل لائے اور اسے زوردار بارش نہ ملے تو (اسے) شبنم (یا ہلکی سی پھوار) بھی کافی ہو' اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

مرطوب آب وہوا میں اونچائی پر واقع باغ بارش کے بغیر ہی جس طرح پھل دیتا ہے اس طرح راہ خدا میں خرچ کیا جانے والا مال ہر حال میں رضائے الٰہی کا موجب بنتا ہے لہٰذا مال خرچ کرنے میں نیت صرف اللہ کی رضا ہونی چاہئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ

اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال دے۔

(البقرہ ۲:۱۷۷)

اگر کوئی شخص اپنا مال اس لئے لٹاتا ہے تاکہ لوگ اسے سخی کہیں اس کی تعریف کریں تو اس پر وہ کسی اجر وثواب کا مستحق نہیں ہو گا بلکہ الٹا اللہ کی ناراضی مول لینے کا سبب بنے گا۔ سخاوت اعلانیہ کی جائے یا چھپ کر' پیش نظر اللہ کی خوشنودی ہو

کوئی اور غرض شامل نہ ہو تو اللہ راضی ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

من جهز غازيا في سبيل الله فقد غزا ومن خلف غازيا في سبيل الله بخير فقد غزا (صحیح بخاری، ۱:۳۹۹)

جو کوئی جہاد کے لئے کسی غازی کو سامان فراہم کرے تو گویا اس نے خود جہاد کیا اور جس نے غازی کے گھر کی اس کی عدم موجودگی میں خبر رکھی اس نے بھی گویا خود جہاد کیا۔

اسلامی تحریک کو کامیابی سے آگے لے جانے کے لئے سرمائے کی اہمیت جسم میں خون کی مانند ہے اس لئے قرآن مجید میں بار بار مالی جہاد کی ترغیب دی گئی ہے بلکہ مالی جہاد کی اہمیت کے پیش نظر ایک آدھ مقام کے سوا ہر جگہ جہاد بالمال کو جہاد بالنفس پر تقدم حاصل ہے۔ اگرچہ دنیا میں جان سب سے زیادہ پیاری چیز ہے لیکن بعض طبیعتوں میں مال کی رغبت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے حصول کے لئے اپنی جان کی پرواہ بھی نہیں کرتے اس لئے بخل کو دور کرنے کے لئے مال کو جان پر تقدم بخشا اور اس جانب زیادہ توجہ مبذول کروائی گئی، فرمایا گیا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (الانفال، ۸:۷۲)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اللہ کے لئے) وطن چھوڑ دیئے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

باب-۷

جہاد بالسیف

جنگ کی ناگزیریت کے حوالے سے بحث پہلے آچکی ہے کہ اکثر و بیشتر عالمی سطح پر قیام امن کے لئے فتنہ و فساد کو طاقت کے ذریعہ کچل دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ طاقت کا یہ استعمال پرامن معاشرہ کے قیام کے لئے کیا جاتا ہے اور اس کا مقصود و مطلوب ابن آدم کے لئے آسودہ لمحوں کی تلاش اور ازلی صداقتوں اور سچائیوں کے فروغ کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ظلم اور بربریت کے خلاف، کفر اور باطل کے خلاف، استحصال اور استبداد کے خلاف یہ جنگ جہاد کہلاتی ہے۔ اس جہاد میں فتح و کامرانی سے بہرہ ور ہونے والا غازی اور اللہ کی راہ میں لڑتے لڑتے ابدی زندگی سے سرفراز ہونے والا شہید کہلاتا ہے۔ ان جاں نثاروں اور جانبازوں کا انعام یہ ہے کہ انہوں نے اپنی متاع زندگی کو راہ خدا میں قربان کردیا ہوتا ہے۔ وہ زندگی انہیں دوبارہ عطا کر دی جاتی ہے۔ شہید زندہ ہوتے ہیں لیکن ہمیں ان کی اس زندگی کا ادراک و شعور نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ (البقرہ، ۲:۱۵۴)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مت کہا کرو کہ یہ مردہ ہیں۔ (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں۔

قرآن حکیم میں ایک دوسری جگہ ان جاں نثاروں اور جانبازوں کی عزت افزائی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

(آل عمران، ۳:۱۶۹-۱۷۰)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں انہیں ہرگز مردہ خیال (بھی) نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے حضور زندہ ہیں انہیں (جنت کی نعمتوں کا) رزق دیا جاتا ہے۔ وہ (حیات جاودانی کی) ان (نعمتوں) پر فرحاں و شاداں رہتے ہیں جو

اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرما
رکھی ہیں اور اپنے ان پچھلوں سے بھی
جو (تاحال) ان سے نہیں مل سکے (انہیں
ایمان اور اطاعت کی راہ پر دیکھ کر)
خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی نہ کوئی
خوف ہو گا اور نہ رنجیدہ ہوں گے۔

جادۂ عشق کے یہ مسافر زندہ و جاوید ہیں۔ ان کے عظیم کارنامے تاریخ کی پیشانی کا جھومر ہیں۔ اصل میں مفہوم زندگی اللہ کی راہ میں جان قربان کر کے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے اجر دونوں کو ملے گا شہید کو بھی اور غازی کو بھی۔ شرط جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جہاد میں اترنے کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا

(النساء، ۴:۷۴)

اور جو کوئی اللہ کی راہ میں جنگ کرے، خواہ وہ (خود) قتل ہو جائے یا غالب آ جائے تو ہم (دونوں صورتوں میں) عنقریب اسے عظیم اجر عطا فرمائیں گے۔

باب-۸

مقاصد جہاد

۱۔ قیام امن

اسلامی جنگ کے شعائر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو ہر وقت صلح کے لئے تیار رہنا چاہئے کیونکہ اگر مقاصد مصالحت کے ذریعے حاصل ہو جائیں تو ہتھیار نہیں اٹھانے چاہئیں اور اگر دشمن خود صلح کی درخواست کرے تو اسے کھلے دل سے قبول کرلینا چاہئے۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان کیا ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ○

(الانفال ۸:۶۱۔۶۲)

اور اگر وہ (کفار) صلح کے لئے جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں بے شک وہی خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ چاہیں کہ آپ کو دھوکہ دیں تو بے شک آپ کے لئے اللہ کافی ہے وہی ہے جس نے آپ کو اپنی مدد کے ذریعے اور اہل ایمان کے ذریعے طاقت بخشی۔

اسی طرح یہ بھی حکم ہے کہ اگر کوئی دشمن ہتھیار ڈال دے اور زبان حال سے امان مانگے تو پھر تمہیں اس پر ہاتھ اٹھانے کا حق باقی نہیں رہتا۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا (النساء ۴:۹۰)

پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی کرلیں اور تمہارے ساتھ جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح (کا پیغام) بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لئے (بھی صلح جوئی کی صورت میں) ان پر (دست درازی کی) کوئی راہ نہیں بنائی۔ (لڑنے کا تم کو کسی

طرح حق نہیں پہنچتا)

ان آیات سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ اسلام میں ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ معاملہ کو صلح سے حل کیا جائے تاکہ جنگ و قتال کی ضرورت پیش نہ آئے لیکن اگر مسئلہ مصالحت سے حل ہوتا دکھائی نہ دے تو پھر جنگ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جنگ لڑنے کے بنیادی طور پر دو مقاصد ہوتے ہیں۔

۱۔ قتال فی سبیل اللہ

۲۔ قتال فی سبیل الطاغوت

انہیں مقاصد کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ (النساء ۴:۷۶)

جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں (نیک مقاصد کے لئے) جنگ کرتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ شیطان کی راہ میں (طاغوتی مقاصد کے لئے) جنگ کرتے ہیں۔

۲۔ غلبہ دین حق کے لئے جہاد

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

(الصف ۶۱:۹)

وہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ وہ اس (دین اسلام) کو سب دینوں پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو کتنا ہی برا معلوم ہو۔

علاوہ ازیں ظلم و ستم کا خاتمہ کیا جائے۔ جہاں ظلم کی تلوار اٹھتی ہوئی نظر آئے وہاں ظلم کے خلاف دیوانہ وار جنگ کی جائے کیونکہ یہ نیکی ہے اور نیکی کے کاموں

میں تعاون حکم الٰہی ہے۔ فرمایا گیا۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص (المائدہ ۵:۲)

اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو گناہ اور ظلم (کے کام) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

۳۔ انسداد ظلم کے لئے جہاد

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا (النساء ۴:۷۵)

اور (مسلمانو) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں (غلبہ دین حق کے لئے) اور ان بے بس (مظلوم و مقہور) مردوں، عورتوں اور بچوں (کی آزادی) کے لئے جنگ نہیں کرتے جو (ظلم و ستم سے تنگ ہو کر) پکارتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے (وڈیرے) لوگ ظالم ہیں۔

اس آیت مقدسہ میں مسلمانوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کیا جا رہا ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم سربکف ہو کر کمزور اور ناتواں انسانیت کی مدد کے لئے میدان کارزار میں نہیں اترتے۔ ایسے حالات میں جنگ اس وقت تک جاری رکھنے کا حکم ہے جب تک ظلم و ستم کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اور فتنہ و فساد کے شعلے سرد نہیں ہو جاتے۔ ظلم کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، عقائد کی وجہ سے ظلم کیا جائے، جائز حقوق نہ دیئے جائیں، گھر بار سے محروم کر دیا جائے یا ان کی حکومت چھین لی جائے۔ ان کے خلاف جہاد کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہئے۔

ظلم کی چکی میں پسنے والی انسانیت کو ظلم کے شکنجے سے آزادی دلانے کے لئے اور روئے زمین سے فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لئے جنگ کرنا اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ

(الحج ۲۲:۳۹-۴۰)

ان (مسلمانوں) کو جن سے کافر (خواہ مخواہ) جنگ کرتے ہیں (لڑائی کی) اجازت دی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا (گو مسلمانوں کے پاس جنگ کا وہ ساز و سامان نہیں مگر ان کے ساتھ زبردست قوت والا اللہ تو ہے) بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے وہ (ان کی ضرور مدد کرے گا یہی ہیں وہ لوگ) جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے محض اس بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں جن لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کا جرم واضح اور واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ وہ انسانیت پر ظلم و ستم کرتے ہیں' انہیں اپنے گھروں سے نکال کر بے گھر کرتے ہیں۔ جب پیارے رب کا نام اپنی زبانوں پر لاتے ہیں تو اس وقت یہ چیز ان کی طبیعتوں پر ناگوار گزرتی ہے۔ ایسی صورت حال میں انسانیت دشمن درندوں کے دست تظلم سے انسانوں کو نجات دلانا فرض ہو جاتا ہے اور مسلمانوں پر سونا اور آرام و سکون کی زندگی بسر کرنا حرام ہو جاتا ہے جب تک کہ ظالموں کی طرف سے فتنہ و فساد اور ظلم پر مبنی بھڑکائی ہوئی آگ ہمیشہ کے لئے سرد نہیں ہو جاتی۔ اسی طرح قرآن مجید میں ایک مقام پر مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا کہ تم ظالموں کے خلاف کیوں اٹھ کھڑے نہیں ہوتے۔

پوری دنیا کے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ملت واحدہ کا حصہ ہیں۔ اگر کسی مسلمان ملک پر کوئی افتاد پڑتی ہے یا کوئی طاقت ان پر حملہ آور ہوتی ہے تو دنیا بھر کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کو پہنچیں اور حملہ آور کے خلاف علم جہاد بلند کر کے عالمی سطح پر اسلام کے کردار کو مؤثر بنائیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يُهَاجِرُوْا مَالَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ (الانفال ۸:۷۲)

اور جو لوگ ایمان لائے (مگر) انہوں نے (اللہ کے لئے) گھر بار نہ چھوڑے تو تمہیں ان کی دولت سے کوئی سروکار نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ دین (کے معاملات) میں تم سے مدد چاہیں تو تم پر (ان کی) مدد کرنا واجب ہے۔

۴۔ استیصال فتنہ کے لئے جہاد

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرہ ۲:۱۹۳)

اور ان سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی زندگی اور بندگی کا نظام عملاً) اللہ ہی کے تابع ہو جائے۔

ایک اور مقام پر فتنہ کی سنگینی کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ ۲:۱۹۱)

اور (دوران جنگ ان) کافروں کو جہاں بھی پاؤ مار ڈالو اور انہیں وہاں سے باہر نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی زیادہ

سخت (جرم) ہے۔

مفاد عامہ کے لئے اسلام فتنہ و فساد کا کلی استیصال چاہتا ہے کیونکہ سازشوں اور شرانگیزیوں کے اعصاب شکن ماحول میں نہ پر امن معاشروں کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے اور نہ عالمی سطح پر قیام امن کی کوئی ضمانت ہی دی جا سکتی ہے۔ یہ استیصال معاشی، سیاسی اور معاشرتی استحصال کی ہر شکل کا ہونا چاہئے۔ اس کے بغیر ہر شعبہ زندگی انقلاب آفریں تبدیلیوں سے آشنا نہیں ہو سکتا اور نہ اسلامی شعائر کا احترام ہی برقرار رہ سکتا ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فتنہ و شر کے خاتمے کے لئے ایک مستقل بندوبست کر دیا ہے تاکہ زمین کو اولاد آدم کے رہنے کے قابل بنایا جا سکے۔ مطلب یہ ہے کہ اولاد آدم کو ایک پر امن ماحول دیا جائے اور ایک ایسا معاشرتی ڈھانچہ وضع کیا جائے کہ زمین پر عدل قائم ہو سکے۔

وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (البقرہ ۲:۲۵۱)

اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ نہ ہٹاتا رہتا تو زمین (میں انسانی زندگی بعض جابروں کے مسلسل تسلط اور ظلم کے باعث) برباد ہو جاتی۔

بلا تفریق مذہب اور بلا تفریق رنگ و نسل مسلمانوں کو ہر طبقے یا قوم کی داد رسی کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام شہری آزادیوں کا علمبردار ہے۔ انسان کے بنیادی حقوق کا محافظ ہے اور پوری دنیا میں آزادی کی تحریکوں کا مؤید و ہمدرد ہے۔ یہی انسانی رویہ کرہ ارض پر فتنوں کی سرکوبی کا ضامن ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ ○ (الانفال ۸:۷۳)

(اے مسلمانو!) اگر تم (ایک دوسرے کے ساتھ) ایسا (تعاون اور مدد و نصرت) نہیں کرو گے تو زمین میں (غلبہ کفر و باطل کے سبب) بڑا فتنہ و فساد برپا ہو جائے۔

عالمی تناظر میں سامراجی طاقتوں کے طرز عمل کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ غریب اقوام کا ہر سطح پر استحصال جاری ہے۔ ان کے اقتدار اعلیٰ کو ہی نہیں ان کی سیاسی اور اقتصادی آزادیوں کو بھی زبردست خطرہ لاحق ہے۔ عالمی سامراج طاقت کے نشے میں سرشار اپنے افکار و نظریات مقروض ممالک پر مسلط کر رہا ہے۔ اپنی ثقافت ان کے سر پر تھوپ رہا ہے نئے عالمی نظام کی آڑ لے کر ان کے وسائل پر قبضہ جمانے کی فکر میں طاغوتی طاقتیں' ترقی پذیر ممالک کے ذہن جدید پر اپنی گرفت مضبوط سے مضبوط تر بنا رہی ہیں۔ سامراج چاہتا ہے کہ عریانی اور فحاشی کی افیون دے کر ان کی تخلیقی اور تحقیقی صلاحیتوں کو بے کار بنا دیا جائے تاکہ وہ ہمیشہ نام نہاد ترقی یافتہ اقوام کے دست نگر رہیں اور سر اٹھا کر چلنے کا تصور بھی بھول کر اپنے دل میں نہ لائیں۔ اسلام ان استحصالی طاقتوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لئے ہر جگہ اسلامی تحریکوں کا راستہ روکا جا رہا ہے اور دہشت گردی کا الزام لگا کر مجاہدین کی کردار کشی کی جا رہی ہے حالانکہ انہی سرفروشان راہ حق کی انقلابی جدوجہد طاغوت کے عزائم خاک میں ملانے کا باعث بنی ہے۔ قرآن کہتا ہے۔

وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ○
(الحج' ۲۲:۴۰)

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کی) خانقاہیں اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں) کے عبادت خانے (جو زمانہ قدیم میں اللہ کے ذکر کا مرکز رہے ہیں) اور مسجدیں جن میں (آج بھی) اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے منہدم ہو چکے ہوتے۔

۵۔ حقوق انسانی کے لئے جہاد

اقوام مغرب نے اپنے پروپیگنڈہ کی بنیاد حقوق انسانی پر رکھی ہے حالانکہ

اقوام متحدہ کی چھتری تلے حقوق انسانی کی سب سے زیادہ خلاف ورزیاں بھی انہی اقوام نے کی ہیں۔ پوری دنیا میں بے یار و مددگار مہاجرین کے کیمپ امن عالم کے ٹھیکیداروں کی بے حسی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اقوام عالم کے بارے میں ان کے دوہرے معیارات منافقت اور ریاکاری پر مبنی ہیں۔ اس منافقت اور ریا کاری کے خلاف عملی جدوجہد کر کے انسانی حقوق کو بحال کرنا ہر دور میں مسلمانوں کا مطمح نظر رہا ہے۔ زمین کرب و بلا سے مظلوم اور مقہور مرد و زن کا انخلاء اور ان کے اعتماد کو بحال کرنا بھی ایک عظیم جہاد ہے۔

۶۔ کفر و شرک کی بیخ کنی کے لئے جہاد

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اصنام پرستی کا خاتمہ کر کے کفر و شرک کی بیخ کنی کی جائے اور اللہ کی توحید کا پرچم بلند کیا جائے تاکہ حق کا بول بالا ہو، کفر مغلوب ہو اور غلبۂ دین حق کی بحالی کا فریضہ سرانجام دیا جا سکے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کفار جب بھی کسی دباؤ کا شکار ہوتے ہیں یا ان پر کوئی عذاب ٹوٹتا ہے تو وہ دباؤ یا عذاب کے حصار سے نکلنے کے لئے مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا ایک جال بچھانے لگتے ہیں۔ ان سازشوں کی گوشمالی کے لئے جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّہَا لَکُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَ یَقْطَعَ دَابِرَ الْکَافِرِیْنَ○ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَ یُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ○

(الانفال ۸:۷۔۸)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے تم سے (کفار مکہ کے) دو گروہوں میں سے ایک پر غلبہ و فتح کا وعدہ فرمایا تھا کہ وہ یقیناً تمہارے لئے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلم (کمزور گروہ) تمہارے ہاتھ آ جائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے حق کو حق ثابت فرما دے اور (دشمنوں کے بڑے مسلح لشکر پر مسلمانوں

کی فتح یابی کی صورت میں) کافروں کی (قوت اور شان و شوکت کی) جڑ کاٹ دے تاکہ (معرکہ بدر اس کامیابی کے ذریعہ) حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو باطل کر دے۔ اگرچہ مجرم لوگ (معرکہ حق و باطل کی اس نتیجہ خیزی کو) ناپسند ہی کرتے رہیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں مسلمانوں کو عظیم فتح عطا کی، کفار کو شکست فاش ہوئی اور اسلام کے بارے میں ان کے ناپاک عزائم خاک میں مل گئے۔

۷۔ دفاع مملکت

دشمنان اسلام ہر دور اور ہر عہد میں اسلامی حکومت کے خلاف درپردہ سازشوں میں مصروف رہے ہیں اور اپنے عوام کو جنگی جنون میں مبتلا کر کے ہتھیاروں کے انبار جمع کرتے رہے ہیں تاکہ خاکم بدہن اسلام کا نام و نشان تک صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ یہ ان ممالک کی نظریاتی سرحدوں پر بھی حملہ آور ہوتے ہیں اور جغرافیائی سرحدوں کو بھی پامال کرتے ہیں۔ دونوں محاذوں پر دشمن کے خلاف سینہ سپر ہو کر عملی طور پر میدان جہاد میں اترنا ایک اجتماعی فریضہ بن جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (البقرہ، ۲:۱۹۰)

اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں (ہاں) مگر حد سے نہ بڑھو۔

۸۔ عہد شکنی کی سزا

انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر عہد شکنی ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ کسی معاہدے کی خلاف ورزی اعلان جنگ کے مترادف ہے تاآنکہ تجدید عہد نہ ہو۔

اگر عہد شکنی اور معاہدوں کی خلاف ورزی پر جہادی جذبے سے کام نہ لیا جائے اور عملاً عہد شکنوں کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے تو معاہدوں کی حیثیت کاغذ کے ایک پرزے سے زیادہ نہیں رہے گی۔ اس طرح طاقتور کو اپنی من مانی کرنے کے لئے کھلی چھٹی مل جاتی ہے اور معاشرے کا توازن ہی نہیں بگڑتا بلکہ امن و امان کی صورت حال بھی ابتر ہو جاتی ہے۔ عہد شکنی کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف تادیبی کاروائی ضروری ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ○ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○

(التوبہ ۹: ۱۲۔ ۱۳)

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم (ان) کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو، بے شک ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں تاکہ وہ (اپنی فتنہ پروری سے) باز آ جائیں۔ کیا تم ایسی قوم سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسول کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا حالانکہ پہلی مرتبہ انہوں نے تم سے (عہد شکنی اور جنگ کی) ابتدا کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو جبکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو بشرطیکہ تم مومن ہو۔

۹۔ راہ حق کی رکاوٹوں کو دور کرنا

راہ حق کی رکاوٹوں کو دور کرنا بھی جہاد کا ایک مقصد ہے۔ باطل قوتیں ہمیشہ اسلام کی پیش رفت سے خائف رہی ہیں۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے تصور سے عالم کفر

آج بھی لرزہ براندام ہے۔ اسلامیان عالم کے اتحاد سے وہ خوفزدہ ہے۔ مسلمانوں کی آزادی کی تحریکوں کو طاقت کے استعمال سے کچلا جا رہا ہے اور ان کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ دختران اسلام کی اجتماعی آبروریزی کے شرمناک واقعات جنم لے رہے ہیں۔ ان سارے ہتھکنڈوں کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ ہر محاذ پر اسلامیان عالم کو پسپائی پر مجبور کیا جائے' راہ حق میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والوں کے خلاف جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد' ۴۷: ۴)

پس (اے مسلمانو!) جب تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ بچیں ان کو) رسی سے باندھ لو پھر اس کے بعد (تم کو اختیار ہے کہ) یا تو احسان رکھ کر (رہا کر دو) یا معاوضہ لے کر (چھوڑ دو) (اور یہ قید و بند کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا جائے) یہاں تک کہ لڑائی اپنا ہتھیار (اتار کر) رکھ دے (یعنی جنگ موقوف ہو جائے۔)

۱۰۔ قتال فی سبیل الطاغوت

یہ وہ جنگ ہے جو شیطانی عزائم کی تکمیل کے لئے لڑی جاتی ہے۔ اس جنگ میں کبھی تو چھوٹی ریاستوں کو اپنی تجارتی منڈیاں بنایا جاتا ہے اور کبھی کمزور قوموں کی آزادی چھین لی جاتی ہے اور ان کا امن و سکون غارت کر دیا جاتا ہے۔

تاریخ انسانی کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکثر غیر اسلامی جنگیں توسیع پسندانہ مقاصد کی تکمیل کے لئے لڑی جاتی رہی ہیں وسیع پیمانے پر انسانی

استحصال اور جبرو تشدد کے طویل سلسلے کا آغاز ہوتا رہا۔ یہ الگ بات ہے کہ اکثر طاغوتی و استحصالی جنگوں پر انسانی آزادی اور جمہوریت کی بحالی کا لیبل چڑھایا جاتا رہا لیکن درحقیقت ان کے پیش نظر پوری قوم کو غلام بنانا ہوتا۔ آج بھی مختلف قسم کے حملے جو اسلام پر ہو رہے ہیں ان کا مقصد اولین بھی یہی ہے کہ بالخصوص مسلمانوں کو آزادی جیسی نعمت بے بہا سے محروم کر دیا جائے اور ان سے انسانی عزت و وقار چھین کر انہیں اس طرح بے آبرو کر دیا جائے کہ وہ اسلام دشمن قوتوں کے ماتحت غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غلامی اختیار کرنے کی سوچ و فکر ان میں پیدا نہ ہونے پائے۔

جہاد محض جنگ نہیں

جنگیں اپنے مفادات کے لئے لڑی جاتی ہیں۔ اپنی انا کو تسکین دینے کے لئے انسانی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کئے جاتے ہیں' اپنے خود ساختہ احساس برتری کا بھرم قائم رکھنے کے لئے کمزور اقوام کے خون ناحق سے ہاتھ رنگنے کو روا سمجھا جاتا ہے' جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز کا نعرہ بلند کر کے ہر ضابطے اور اصول کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ مفتوح قوم پر تاوان کا بوجھ ڈال کر اس کی بچی کھچی معیشت سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا جاتا ہے' دشمن کی بیٹی کو جنسی درندوں کے آگے پھینک کر شیطانی کھیل رچایا جاتا ہے' اجتماعی غلامی کے ایک ایسے دور کا آغاز ہوتا ہے جس میں ہر قدم پر شرف انسانی کا خون ہوتا ہے' خود عربی زبان میں جنگ کے لئے "حرب" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ تصور جنگ تصور جہاد سے اپنے مفہوم کے اعتبار سے بھی بہت مختلف چیز ہے اسی لئے جہاد پر حرب کا اطلاق نہیں کیا گیا' جنگ فتنوں کی پرورش کرتی ہے جبکہ جہاد فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اسلامی جنگوں (جہاد) کے مقاصد دنیا کی جنگوں سے قطعی مختلف ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ "حرب" چھ مقامات پر استعمال کیا گیا ہے۔ ایک کے سوا کہیں بھی اس سے جہاد کا مفہوم مترشح نہیں ہوتا۔ اس ایک مقام کے

بارے میں الگ مقام پر بحث کی جائے گی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (البقرہ ۲:۲۷۸-۲۷۹)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدق دل سے) ایمان رکھتے ہو' پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے اعلان جنگ پر خبردار ہو جاؤ۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ آیت مذکورہ میں مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ جہاد مسلمانوں کے خلاف نہیں کیا جاتا۔ اصل میں یہاں سود کی سنگینی کو ظاہر کرنے کے لئے لفظ حرب استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ عملی طور پر بھی کبھی اس بنا پر جہاد نہیں کیا گیا لہٰذا یہاں لغوی معنی مراد ہیں اصطلاحی نہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ○ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ (الانفال ۸:۵۶-۵۷)

یہ (وہ) لوگ ہیں جن سے آپ نے (بارہا) عہد لیا پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ (اللہ سے) نہیں ڈرتے' سو اگر آپ انہیں (میدان) میں پائیں تو ان کے عبرتناک قتل کے ذریعہ ان کے پچھلوں کو (بھی) بھگا دیں تاکہ انہیں نصیحت حاصل ہو۔

یہودی اسلام کے کھلے دشمن تھے اور ہیں۔ قبائل یہود بار بار عہد شکنی کے مرتکب ہوتے تھے۔ یہ آیات الٰہی انہی کے متعلق نازل ہوئیں۔ یہودیوں نے ذاتی بغض و عناد کے باعث لڑائیوں کا جو سلسلہ شروع کیا ہوا تھا اور قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے میں مصروف تھے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر حرب سے کیا گیا ہے۔

حرب سے یہاں بھی مراد جہاد نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○
(المائدہ ۵:۶۴)

اور ہم نے ان کے درمیان روز قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا ہے۔ جب بھی یہ لوگ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور یہ (روئے) زمین پر فساد انگیزی کرتے رہتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت کریمہ کا روئے سخن یہود و نصاریٰ کی طرف ہے۔ یہاں بھی حرب سے مراد ہرگز ہرگز جہاد نہیں۔ آیت روز روشن کی طرح واضح ہے اور اپنا مفہوم و مدعا کھول کھول کر بیان کر رہی ہے۔ ایک اور مقام پر ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ (التوبہ ۹:۱۰۷)

اور (منافقین میں سے وہ بھی ہیں) جنہوں نے ایک مسجد تیار کی ہے (مسلمانوں کو) نقصان پہنچانے اور کفر (کو تقویت دینے) اور اہل ایمان کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے اور اس شخص کے لئے گھات کی جگہ بنانے کی غرض سے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کھلی جنگ کر رہا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک عرب ابو عامر راہب قبیلہ ہوازن کی شکست کے بعد شام کی طرف فرار ہو گیا۔ اس نے وہاں سے منافقین مدینہ کو پیغام بھیجا کہ وہ ایک مسجد تعمیر کر کے اس میں اسلحہ جمع کرتے جائیں۔ میں شاہ روم سے مدد حاصل کر کے پہنچتا ہوں۔ منافقین مدینہ نے ابو عامر کی ہدایت پر مسجد تعمیر کر لی جسے نبی کریم ﷺ نے گرا کر جلا دیا۔ اس آیت میں اس واقعہ کا ذکر ہے یہاں بھی لفظ حرب اپنے عربی لغت کے مفہوم کو واضح کر رہا ہے کیونکہ اس سازش میں جذبۂ انتقام اور بغض کار فرما ہے۔ فرمایا

گیا۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَ اَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○

(المائدہ ۵:۳۳)

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد انگیزی کرتے پھرتے ہیں (یعنی مسلمانوں میں خونریزی' راہزنی اور ڈاکہ زنی وغیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں) ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا پھانسی دیئے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا (وطن کی) زمین (میں چلنے پھرنے) سے دور (یعنی ملک بدر یا قید) کر دیئے جائیں یہ (تو) ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔

ان آیات ربانی کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ اسلام جہاد کے ذریعہ دنیا سے جنگ (غارتگری) کا خاتمہ چاہتا ہے' لڑائی میں ہتھیار ڈال دینے کا یہی مفہوم ہے کہ فی نفسہ جنگ کا خاتمہ ہو جائے اور دنیا امن اور سلامتی کا گہوارہ بن جائے اور صلح جوئی افراد معاشرہ کا اجتماعی رویہ ٹھہرے۔